﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم﴾ ﴿......اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾(آل عمران:۷۴) ﴿......عَسٰی اَنْ يَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ (بنی اِسرائیل:۸۰)

ہفت روزہ
الفضل
انٹرنیشنل
مدیر اعلیٰ :— نصیر احمد قمر

جلد13
جمعۃ المبارک 06/اکتوبر2006ء
13/رمضان المبارک1427ہجری قمری ۞ 06/اخاء 1385 ہجری شمسی
شمارہ 40

لیلۃ القدر کی دعا

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ مَیں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ یارسول اللہ اگر مجھے علم ہوجائے کہ کون سی رات لیلۃ القدر ہے تو مَیں اس میں کیا دعا کروں۔ فرمایا کہ: تُو یہ دعا کر کہ: اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔ اے اللہ تو بہت معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند فرماتا ہے۔ پس تُو مجھے بھی بخش دے اور معاف فرمادے۔ (ترمذی ابواب الدعوات)

﴿ارشادات عالیہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام﴾

استجابت دعا کا مسئلہ درحقیقت دعا کے مسئلہ کی ایک فرع ہے۔

دعا کی ماہیت یہ ہے کہ ایک سعید بندہ اور اس کے ربّ میں ایک تعلق جاذبہ ہے

کامل کی دعا میں ایک قوت تکوین پیدا ہوجاتی ہے

دعاؤں کی تاثیر آب و آتش کی تاثیر سے بڑھ کر ہے

دعا کے لئے بھی تمام اسباب و شرائط قبولیت اس جگہ جمع ہوتے ہیں جہاں ارادۂ الٰہی اس کے قبول کرنے کا ہے۔

”واضح ہو کہ استجابت دعا کا مسئلہ درحقیقت دعا کے مسئلہ کی ایک فرع ہے۔ اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جس شخص نے اصل کو سمجھا ہوا نہیں ہوتا اُس کو فرع کے سمجھنے میں پیچیدگیاں واقع ہوتی ہیں اور دھوکے لگتے ہیں..........اور دعا کی ماہیت یہ ہے کہ ایک سعید بندہ اور اس کے ربّ میں ایک تعلق جاذبہ ہے۔ یعنی پہلے خداتعالیٰ کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے پھر بندہ کے صدق کی کششوں سے خداتعالیٰ اُس کے نزدیک ہو جاتا ہے۔ اور دعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پر پہنچ کر اپنے خواص عجیبہ پیدا کرتا ہے۔

سو جس وقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خداتعالیٰ کی طرف کامل یقین اور کامل امید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے۔ پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہ الوہیت ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ تب اُس کی روح اُس آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے۔ اور قوت جذب جو اُس کے اندر رکھی گئی ہے وہ خداتعالیٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ تب اللہ جل شانہٗ اس کام کے پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس دعا کا اثر ان تمام مبادی اسباب پر ڈالتا ہے جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں جو اس مطلب کے حاصل ہونے کے لئے ضروری ہیں۔

مثلاً اگر بارش کے لئے دعا ہے تو بعد استجابت دعا کے وہ اسباب طبیعہ جو بارش کے لئے ضروری ہوتے ہیں اس دعا کے اثر سے پیدا کئے جاتے ہیں۔ اگر قحط کے لئے بد دعا ہے تو قادر مطلق مخالفانہ اسباب کو پیدا کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ بات اربابِ کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہو چکی ہے کہ کامل کی دعا میں ایک قوت تکوین پیدا ہو جاتی ہے یعنی باذنہٖ تعالیٰ وہ دعا عالم سفلی اور عُلوی میں تصرف کرتی ہے اور عناصر اور اجرام فلکی اور انسانوں کے دلوں کو اس طرف لے آتی ہے جو طرف مؤید مطلوب ہے۔

خداتعالیٰ کی پاک کتابوں میں اس کی نظیریں کچھ کم نہیں ہیں بلکہ اعجاز کی بعض اقسام کی حقیقت بھی دراصل استجابت دعا ہی ہے۔ اور جس قدر ہزاروں معجزات انبیاء سے ظہور میں آئے ہیں یا جو کچھ کہ اولیاء ان دنوں تک عجائبات کرامات دکھلاتے رہے اُس کا اصل اور منبع یہی دعا ہے۔ اور اکثر دعاؤں کے اثر سے ہی طرح طرح کے خوارق قدرت قادر کا تماشا دکھلا رہے ہیں۔ وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گزرا کہ لاکھوں مردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے اور دنیا میں یک دفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا۔ کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں ہی تھیں جنہوں نے دنیا میں شور مچا دیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس اُمّی بے کس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ بِعَدَدِ هَمِّهٖ وَ غَمِّهٖ وَ حُزْنِهٖ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ وَ اَنْزِلْ عَلَيْهِ اَنْوَارَ رَحْمَتِکَ اِلَی الْاَبَدِ۔ اور مَیں اپنے ذاتی تجربہ سے بھی دیکھ رہا ہوں کہ دعاؤں کی تاثیر آب و آتش کی تاثیر سے بڑھ کر ہے بلکہ اسباب طبیعہ کے سلسلہ میں کوئی چیز ایسی عظیم التاثیر نہیں جیسی کہ دُعا ہے۔

اور اگر یہ شبہ ہو کہ بعض دعائیں خطا جاتی ہیں اور ان کا کچھ اثر معلوم نہیں ہوتا تو مَیں کہتا ہوں کہ یہی حال دواؤں کا بھی ہے۔ کیا دواؤں نے موت کا دروازہ بند کر دیا ہے یا اُن کا خطا جانا غیر ممکن ہے؟ مگر کیا باوجود اس بات کے کوئی اُن کی تاثیر سے انکار کر سکتا ہے؟ یہ سچ ہے کہ ہر ایک امر پر تقدیر محیط ہو رہی ہے مگر تقدیر نے علوم کو ضائع اور بے حرمت نہیں کیا۔ اور نہ اسباب کو بے اعتبار کر کے دکھلایا بلکہ اگر غور کر کے دیکھو تو یہ جسمانی اور روحانی اسباب بھی تقدیر سے باہر نہیں ہیں۔ مثلاً اگر ایک بیمار کی تقدیر نیک ہو تو اسباب تقدیر علاج پورے طور پر میسر آجاتے ہیں اور جسم کی حالت بھی ایسے درجہ پر ہوتی ہے کہ وہ اُن سے نفع اٹھانے کے لئے مستعد ہوتا ہے تب دوا نشانہ کی طرح جا کر اثر کرتی ہے۔ یہی قاعدہ دعا کا بھی ہے۔ یعنی دعا کے لئے بھی تمام اسباب و شرائط قبولیت اُسی جگہ جمع ہوتے ہیں جہاں ارادۂ الٰہی اُس کے قبول کرنے کا ہے۔ خداتعالیٰ نے اپنے نظام جسمانی اور روحانی کو ایک ہی سلسلہ مؤثر اور متاثرات میں باندھ رکھا ہے“۔ (برکات الدعاء، روحانی خزائن جلد 6۔ صفحہ 9 تا 12)

آنکہ بر کفّارہ ہا خاطر نہاد
عقل و دین از دست خود یکسر بداد

(حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے منظوم فارسی کلام سے چند منتخب اشعار)

حمد وشکرِ آں خدائے کردگار
کز وجودش ہر وجودے آشکار
ایں جہاں آئینہ دارِ روئے او
ذرّہ ذرّہ رہ نماید سُوئے اُو
کرد در آئینۂ ارض و سما
آں رُخِ بے مثلِ خود جلوہ نما
ہر گیاہے عارفِ بُنگاہِ اُو
دستِ ہرشاخے نماید راہِ اُو
نورِ مہر و مَہ زفیضِ نورِ اُوست
ہرظہورے تابعِ منشورِ اُوست
مہر ماہ و انجم و خاک آفرید
صدہزاراں کرد صنعتہا پدید
ایں ہمہ صنعش کتابِ کارِ اوست
بے نہایت اندریں اسرارِ اُوست
بازبانِ حال گوید ایں جہاں
کاں خدا فرد است و قیوم و یگاں
نے پدر دارد نہ فرزند و نہ زن
نے مبدل شد از ایّامِ کہن
یک دمے گر رِشحِ فیضش کم شود
ایں ہمہ خلق و جہاں برہم شود
یک نظر قانون قدرت را ببیں
تا شناسی شانِ ربّ العالمیں
آنکہ خود از کارِ خود جلوہ نما است
آں خدانے آنکہ خوداز دستِ ماست
اے ستمگر ایں ہماں مولائے ماست
آنکہ قرآں مادحِ اُوجا بجاست
ہرچہ قرآں گفت مے گوید سما
چشم بکشا تا بہ بینی ایں ضیا
بس ہمیں فخرے بود اسلام را
کو نماید آں خدائے تام را
گویدش زانساں کہ از صنعش عیاں
نے تراشد از خودش چوں دیگراں
غیر مسلم خود تراشید پیکرش
خود تراشد قامت و پا و سرش
خود تراشیدہ نمے گردد خدا
ہمچو طفلاں بازی است و افترا
زیں تراشیدن جہانے شد تباہ
کم کسے سُوئے خدا بُردست راہ
چوں تو کورے نیستی چشمے کُشا
بیں چہ ظاہر مے کند ارض و سما
ہر طرف بشنو صدائے القدیر
ذوالجلال وذوالعُلیٰ نورِ منیر
پیش او لرزد زمین و آسماں
پس تومشتِ خاک را مثلش مداں
گر خدا گوئی ضعیفے را بزور
جانِ تو گوید کہ کذّابی و کور
کَے بشر گردد خدائے لایزال
داوریہا کم کن اے صیدِ ضلال
ایکہ فخر و ناز بر عیسیٰ تراست
بندۂ عاجز بچشمِ تُو خدا ست
شد فراموشت خداوندِ ودود
پیشِ عیسیٰ او فتادی در سجود
من ندانم ایں چہ عقل است و ذکا
بندۂ را ساختن ربّ السما
فانیاں را نسبتے با اُو کُجا
از صفاتِ اُو کمال است و بقا
چارہ سازِ بندگاں قادر خدا
آنکہ ناید تا ابد بروے فنا
حافظ و ستّار و جواد و کریم
بیکساں را یار و رحمٰن و رحیم
توچہ دانی آں خدائے پاک را
آں جلالِ او تو دادی خاک را
ہاں دمے ہردم زکفارہ زنی
پس نہ مرد استی کہ کمتر از زنی
نسخۂ سہل است گر یابد سزا
زید و گردد بکر زاں فعلش رہا
لیک زیں نسخہ نمے یابی نشاں
در ورق ہائے زمین و آسماں
تا خدا بنیاد ایں عالم نہاد
ظالمے ہم ننگ دارد زیں فساد
آنکہ برکفّارہ ہا خاطر نہاد
عقل و دیں از دستِ خودیکسر بداد

ترجمہ: اس خدائے کردگار کی حمد اور شکر واجب ہے جس کے وجود سے ہر چیز کا وجود ظاہر ہوا۔ یہ جہان اس کے چہرے کے لئے آئینہ کی طرح ہے، ذرّہ ذرّہ اُسی کی طرف راستہ دکھاتا ہے۔ اس نے زمین وآسمان کے آئینہ میں اپنا بے مثل چہرہ دکھلایا۔ گھاس کا ہر پتہ اُس کے کون ومکان کی معرفت رکھتا ہے اور درختوں کی ہر شاخ اُسی کا راستہ دکھاتی ہے۔ چاند اور سورج کی روشنی اُسی کے نور کا فیضان ہے۔ ہر چیز کا ظہور اُسی کے شاہی فرمان کے ماتحت ہوتا ہے۔ اس نے چاند اور سورج ستارے اور زمین کو پیدا کیا اور لاکھوں صنعتیں ظاہر کر دیں۔ اس کی یہ تمام صناعیاں اس کی کاریگری کا دفتر ہیں اور ان میں اس کے بے انتہا اسرار ہیں۔ یہ جہان زبانِ حال سے یہ کہہ رہا ہے کہ وہ خدا یکتا قیوم اور واحد ہے۔ نہ اس کا کوئی باپ ہے نہ بیٹا اور نہ بیوی اور نہ ازل سے اس میں کوئی تغیر آیا۔ اگر ایک لحظہ کے لئے بھی اس کے فیض کی بارش کم ہو جائے تو یہ سب مخلوقات اور جہان درہم برہم ہو جائیں۔ قانون قدرت پر ایک نظر ڈال تا کہ تو ربّ العالمین کی شان کو پہچانے۔

وہ جو اپنے فعل سے آپ اپنا جلوہ دکھا رہا ہے خدا وہ ہے، نہ کہ وہ جسے ہمارے ہاتھوں نے بنایا ہے۔ اے ظالم ہمارا مولیٰ وہی ہے جس کی تعریف قرآن نے جا بجا کی ہے۔ جو کچھ قرآن نے کہا وہی آسمان بھی کہتا ہے۔ آنکھ کھول تا تو اس روشنی کو دیکھے۔ اسلام کو یہی فخر تو حاصل ہے کہ وہ اس کامل خدا کو پیش کرتا ہے۔ وہ انسان سے وہی کہتا ہے جو اس کی صنعت سے ظاہر ہے۔ دوسروں کی طرح اپنے پاس سے کوئی خدا نہیں تراشتا۔ غیر مسلم اس کے وجود کو خود تراشتا ہے وہ آپ ہی اس کا قد اور پیر اور سر تجویز کرتا ہے۔ یہ خود تراشیدہ وجود خدا نہیں ہے۔ وہ تو بچوں کا کھلونا ہے اور جھوٹ۔ یہ خدا تراشی کی وجہ سے ایک جہاں برباد ہو گیا اور کسی کو سچے خدا کا راستہ نہیں ملا۔ جب تو اندھا نہیں ہے تو آنکھیں کھول اور دیکھ کہ آسمان و زمین کیا ظاہر کرتے ہیں۔ ہر طرف یہی آواز آتی ہے کہ ایک قادر خدا ہے۔ ایک صاحب جلال، صاحب عزت اور روشنی بخش نور موجود ہے۔ اس کے آگے زمین وآسمان لرزتے ہیں پس تُو ایک مشت خاک کو اُس کی طرح نہ سمجھ۔ اگر تو کسی کمزور مخلوق کو زبردستی خدا کہہ بھی دے تو خود تیرا دل بول اٹھے گا کہ تو جھوٹا اور اندھا ہے۔ ایک انسان کیونکر غیر فانی خدا بن سکتا ہے۔ اے گمراہی کے شکار شیخیاں نہ مار۔ اے وہ شخص کہ تجھے عیسیٰ پر فخر اور ناز ہے۔ اور خدا کا ایک عاجز بندہ تیری نظر میں خدا ہے۔ تجھے خدائے شفیق بھول گیا اور عیسیٰ کے آگے سجدہ میں گر گیا۔ مَیں نہیں سمجھتا کہ یہ کیسی عقل اور ذہانت ہے کہ ایک بندہ کو خدا بنایا جائے۔ فانی انسان کو خدا سے کیا نسبت اس کی صفت تو کامل ہونا اور باقی ہونا ہے۔ وہ بندوں کا چارہ گر اور خدائے قادر ہے جس پر کبھی بھی فنا نہیں آسکتی۔ حفاظت کرنے والا، پردہ پوش، سخی اور کریم ہے، بیکسوں کا دوست، بے حد رحم کرنے والا اور مہربان۔ تُو اُس خدائے پاک کا جلال کیا جان سکتا ہے وہ عزت کا مقام تو تُو نے ایک خاکی انسان کو دے رکھا ہے۔ تُو ہر وقت کفارہ کی شیخیاں ہی بگھارتا رہتا ہے پس تو مرد نہیں بلکہ عورت سے بھی گیا گزرا ہے۔ یہ تو بڑا آسان نسخہ ہے کہ سزا ملے زید کو اور بکر اپنے گناہ سے پاک ہو جائے۔ لیکن اس نسخہ کا تجھے نام ونشان بھی نہیں ملے گا زمین وآسمان (کی کتاب) کے ورقوں میں۔ جب سے خدا نے اس دنیا کی بنیاد رکھی ہے اس وقت سے ظالموں کو بھی ایسی شرارت سے عار آتی ہے۔ جس نے کفارہ پر یقین کیا اس نے عقل اور دین دونوں کو برباد کر دیا۔

❋ ❋ ❋

”ہر احمدی خاص توجہ کرے کہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرنی ہے تا کہ اللہ کے فضلوں کو سمیٹنے والا ہو، برائیوں سے بچنے والا ہو، خدا کے حکموں پر عمل کرنے کی بھرپور کوشش کرنے والا ہو۔ اگر آپ نے ان باتوں پر عمل کر لیا تو آپ کی اولادیں محفوظ ہو جائیں گی، آپ کے گھر برکت سے بھر جائیں گے۔ آپ کی جماعت کی ترقی کی رفتار کئی گنا ہو جائے گی“۔

(سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

صداقت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

(احسان اللہ دانش۔ ربوہ)

قسط نمبر 2

آنحضور ﷺ کی بعد از بعثت زندگی آپ کی صداقت کا ثبوت ہے

آنحضور ﷺ کی دعویٰ سے بعد کی زندگی بھی گواہ ہے کہ ہر قسم کے حالات میں آپ ﷺ دیانت داری اور صداقت کے پہلو پر تمام تر شرائط کے ساتھ کاربند رہے۔ اور آپؐ نے ہمیشہ اس پیغام کی پوری دیانتداری سے حفاظت کی جسے آپ خدا کا پیغام کہتے تھے۔ بالکل اسی طرح جس طرح آپ اہل مکہ کی امانتوں کی حفاظت کرتے تھے۔ کیا دُشمن آنکھ کوئی ایک مثال پیش کرسکتی ہے، کوئی ایک مثال کہ جب آپ نے غلط بیانی یا دھوکہ دہی سے کام لیا ہو۔

آپ کو ہر طرح کے حالات سے گزرنا پڑا مگر آپ نے ایک لمحہ کے لئے بھی اس مقصد اعلیٰ سے مُنہ نہ پھیرا جس کی خاطر آپ مبعوث کئے گئے تھے۔ آپؐ نے ہر قسم کی آسائش کو ٹھکرایا اور ہر قسم کی بڑی بڑی سے تکلیف کا بھی مقابلہ کیا۔ ذیل میں ہم ان دونوں انتہاؤں کا الگ الگ ذکر کرتے ہیں تا کہ قاری کو اندازہ ہو کہ عام انسان کے بس کی بات نہیں تھی کہ ان انتہاؤں کا مقابلہ کرتا اور اپنے دعویٰ پر قائم رہتا اور موت سے بڑی تکالیف برداشت کرتا، کلام الٰہی کے حرف حرف کو سینہ سے چمٹائے رکھتا۔ سب سے پہلے ہم اس پہلو کو لیتے ہیں کہ:

آنحضور ﷺ نے ہر قسم کی آسائش کو ردّ کر دیا مگر اپنے مقصد سے رُوگردانی نہیں کی

یہ مشہور واقعہ کس کے علم میں نہیں کہ کفار قریش کے سرکردہ افراد کا ایک گروہ حضرت رسول کریم ﷺ کے دادا حضرت ابوطالب کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی کہ محمد (رسول اللہ ﷺ) کو مجبور کیا جائے کہ وہ ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا نہ کہے۔ اس کے صلہ میں ہم اسے حکومت میں حصہ دار بنا سکتے ہیں یا اگر دولت چاہتا ہے تو جتنی چاہے ہم اس کے قدموں میں ڈھیر کر دیتے ہیں۔ عورت چاہئے تو اشارہ کرے عرب کی اعلیٰ حسب ونسب والی خوبصورت ترین عورت حاضر کر دیتے ہیں۔ بس ہمارے بتوں کو غلط کہنا چھوڑ دے۔ اگر ان میں کوئی بات نہیں مانتا تو صرف اتنا کریں کہ اپنی پناہ کے دائرے سے نکال دیں۔ ایک پل کو ٹھہر کر غور کیجئے یہ پیش کش معمولی نہ تھی۔ ذرا سوچیں کہ ایک اُمّی بے کس، جس کا نہ کوئی جتھا تھا اور نہ ہی گھرانے کی طاقت میں سے کچھ حصہ رکھتا تھا۔ جس نے اعلیٰ مقامات پانے کے لئے اس وقت کے دستور کے مطابق ظلم اور تعدّی کا کوئی رستہ اختیار نہ کیا تھا۔ آج ظاہری لحاظ سے اس کی اکلوتی پناہ گاہ بھی چھن رہی تھی۔ ایک بوڑھا سہارا تھا جو لغزش میں تھا۔ دنیاوی شان وشوکت حاصل کرنے کا کوئی خواہش مند ہوتا تو ڈگمگا جاتا کہ اتنی دیر کی کاوشوں اور تکالیف کا آخر کار ثمرہ یہ مل رہا ہے۔ اور اس دور میں اس سے بڑھ کر اور کس فائدہ کی توقع کی جاسکتی تھی؟ سرداری اور قیادت مل رہی تھی۔ عزت ودولت مل رہی تھی۔ سردار زادی مل رہی تھی۔ یہ بھی سوچا جاسکتا ہے کہ اگر الٰہی پیغام پہنچانے کے علاوہ بھی کوئی مقصد ہے تو اس کامیابی اور طاقت کے حصول کے بعد اس کی راہ اور آسان ہوجائے گی۔ سال ہا سال کی تکالیف برداشت کرنے کے صلہ میں آج سب کچھ حاصل ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس سے زیادہ اور کیا چاہئے۔ قیادت،عزت، دولت اور اعلیٰ حسب ونسب کی عورت کا مطلب ہے ایک قبیلہ کی سیادت اور دوسرے قبیلہ کی قیادت سے اہم باعزت تعلق۔ اور اس کو ٹھکرانے کا مطلب ہے کہ اب تک جو حاصل ہوا ہے وہ بھی ہاتھ سے نکل جائے اور دُنیاوی لحاظ سے دیکھئے تو اب تک کا حاصل تھا ہی کیا؟ بوڑھا چچا، ایک ہی کمزور سہارا اور وہ بھی آج چھن رہا ہے۔ وہ بھی کہہ رہا ہے کہ تیرے اس رویہ سے مَیں کمزور اور بوڑھا اب اَور بھی لڑکھڑا رہا ہوں۔ اور جو غریب صحابہ اب تک آپ کے ساتھ جمع ہوئے تھے اگر وہ بھی انہی دُنیاوی فوائد کے حصول کی خاطر جمع ہوئے تھے تو اب وہ بھی تو چھوڑ چھاڑ کر چلے جاتے، کہ ایک ہی موقع آیا اتنی مشکلات سے گزرنے کے بعد اور وہ بھی گنوا دیا۔ کوئی بھی ادنیٰ سے ادنیٰ عقل کا انسان اگر ہوتا تو ضرور اس موقع سے فائدہ اُٹھاتا اور وہ تمام مقاصد حاصل کرلیتا جس کے لئے یہ سب کچھ کیا تھا۔ کیا ہی نادر موقع تھا قرآن کریم میں ردّوبدل کر کے وہ کچھ نہ کہتے جو مخالفین کے جذبات کو انگیخت کرتا تھا۔ اب تو ان کا یہ مطالبہ بھی نہ تھا کہ سب کچھ بدل دیں۔ بس اتنا تو کہتے تھے کہ ہمارے بتوں کو بُرا نہ کہو۔ یہ آیات نکال دیتے اور سب کچھ مل جاتا۔ مگر حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک ہاتھ پر سورج اور ایک پر چاند رکھ دو پھر بھی یہ ناممکن ہے۔ (بخاری کتاب المناقب باب قصہ ابی طالب) کیا ہی قوی یہ ثبوت ہے آنحضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کی صداقت و دیانتداری اور ایمان کی پختگی کا۔ اس وقت رسول کریمؐ کو وہ تمام اشیا مل رہی تھیں جو آج کل کے مغربی معاشرے میں پلنے والے مستشرق بیان کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ رسول کریم ﷺ نے ان کے حصول کے لئے یہ سب سلسلہ شروع کیا تھا۔ پھر بھی ان کو قبول نہ کرنا بلکہ ایسا رستہ اختیار کرنا جس میں اب تک کا تمام ماحصل داؤ پر لگ رہا تھا، ایک واضح دلیل ہے کہ قرآن کو معین طور پر اور بعینہٖ اسی طرح پہنچانا جس طرح وہ نازل ہوُا تھا اور اپنی زندگی میں اس میں کوئی ردّ و بدل نہ ہونے دینا اور پھر ایسا انتظام کردینا کہ کبھی بھی اِس کلام میں کوئی دانستہ یا نادانستہ ردّوبدل یا تحریف راہ نہ پاسکے آپ کے نزدیک سب سے اہم تھا اور اس مقصد کے حصول کے مقابلے میں دُنیا کی شان شوکت کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ یہ بھی سوچا جاسکتا تھا کہ جب یہ سب شوکت اور طاقت حاصل ہوجائے گی تو اس مقصد کے حصول کی راہ آسان ہوجائے گی۔ مومنین کی مشکلات دور ہوجائیں گی۔ پس یہ سب ردّ کرنا صرف دیانت داری کی مثال ہی نہیں بلکہ اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ رسول کریم ﷺ اور آپؐ کے صحابہ میں سے کوئی بھی دُنیاوی منفعت حاصل کرنے کی ذرہ بھر بھی نیت نہیں رکھتا تھا اور آپؐ دھوکہ دہی سے حاصل کی گئی ظاہری شان وشوکت کو اپنے مقصد کے حصول کی خاطر استعمال کرنے پر ہرگز راضی نہیں تھے۔ صرف اور صرف خدا تعالیٰ کی نصرت پر راضی تھے۔ یہ ایک پیغمبرانہ شان تھی۔

اگر رسول کریم ﷺ کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کیا جائے تو انسان کی حیرت گُم ہوجاتی ہے کہ آپ کی ذات کو کیا سوچ کر اعتراضات کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ رسول کریم کی ساری زندگی پر نظر دوڑاؤ۔ کہیں کوئی ایسا موقع نظر نہیں آتا کہ آپ نے دولت جمع کرنے کی کوشش کی ہو۔ 25 سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے شادی کے بعد آپ کو دولت کی کوئی کمی رہی نہیں تھی۔ چنانچہ مخالفین بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ سے شادی کے بعد آپؐ ہر قسم کے دُنیاوی فکروں سے آزاد ہوچکے تھے۔ لکھا ہے:

"… Orphaned at birth, he was always particularly solicitous of the poor and the needy, the widow and the orphan, the slave and the downtrodden. At twenty he was already a successful businessman, and soon became director of camel caravans for a wealthy widow. When he reached twenty-five, his employer, recognizing his merit, proposed marriage. Even though she was fifteen years the older, he married her, and as long as she lived remained a devoted husband.

By forty this man of the desert had secured for himself a most satisfying life: a loving wife, fine children and wealth.

James A. Michener: Islam: The Misunderstood Religion, Reader's Digest (American Edition) May 1955, p. 68.

یعنی دُرِّ یتیم، ہمیشہ غریب اور نادار، بیوہ اور یتیم، غلام اور مسکین، سب کی ہمیشہ حاجت روائی کرنے پر کمر بستہ رہتا تھا۔ بیس سال کی عمر میں آپ ایک کامیاب تاجر کے طور پر اُبھرے اور جلد ہی ایک امیر خاتون کے اُنٹوں کے قافلہ کے نگران بن گئے۔ جب آپ پچیس سال کے ہوئے تو آپ کی صلاحیتوں کو پہچانتے ہوئے اس خاتون نے، آپ کو شادی کی پیشکش کی۔ باوجود اس کے کہ وہ آپ سے پندرہ سال بڑی تھیں، آپ نے اُن سے شادی کرلی۔ اور جتنا عرصہ بھی ساتھ گزرا، آپ ایک وفادار شوہر رہے۔

چالیس سال کی عمر تک صحرا کا یہ شہزادہ نہایت درجہ مطمئن زندگی گزار رہا تھا۔ ایک محبت کرنے والی بیوی، اچھے بچے اور مال و دولت کی ریل پیل۔ مگر آپ نے وہ دولت بھی غرباء میں تقسیم کردی اور اس کے بعد کے پندرہ سالوں کی زندگی میں ایک ہی شغل نظر آتا ہے۔ وہ ہے غار حرا کی تنہائی میں عبادت۔ کیا دُنیا اور دُنیا کے مال و متاع سے محبت کرنے والے انسان کا یہ وطیرہ ہوتا ہے کہ وہ دُنیا تیاگ کر سب سے الگ تھلگ ہوجائے؟ دُنیا دار انسان تو اپنا کاروبار بڑھاتا ہے۔ دن رات اسی فکر میں غلطاں دوڑ دھوپ میں لگا رہتا ہے کہ کسی طرح مال و دولت حاصل کرلے۔ دُنیاداری میں اندھے بعض اوقات تو دولت کمانے کی دُھن میں اپنے ہی گھر برباد کردیتے ہیں اور چند روپوں کے لیے اپنی اور اپنے پیاروں کی زندگیاں بھی داؤ پر لگادیتے ہیں۔ مگر یہ کون سی دُنیا تھی جس کے آپ طلبگار تھے کہ دو مرتبہ ہاتھ آئی دولت ٹھکرا دی۔ پھر آپ کے کامیاب تجارتی سفروں کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اگر ذرا سی بھی دُنیا طلبی ہوتی تو شادی کے بعد آپ بے حد ترقی کرسکتے تھے۔ سرمایہ بھی موجود تھا، گھر کا سکھ بھی موجود تھا۔ خادم بھی موجود تھے اور سب سے بڑھ کر تجربہ بھی موجود تھا اور صلاحیت تو آپ دکھا ہی چُکے تھے کہ کاروبار کو ترقی دینے کی آپؐ کے اندر موجود ہے۔ مگر سب کچھ ہاتھ میں آنے کے بعد سب چھوڑ دینا، معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اور ہی مقصد تھا اور کوئی اَور ہی جہان تھا جو آپ پیدا کرنا چاہتے تھے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ ہمیشہ مال و دولت کو اس طرح تقسیم کردیا کہ اپنے لئے کبھی کچھ پس انداز نہ کیا۔ پس آپؐ کے لئے دُنیا کے مال و دولت کی کوئی اہمیت تھی ہی نہیں اور جب حضرت خدیجہؓ سے شادی ہوئی تو پھر تو ناممکن تھا کہ مزید کی طلب ہو۔ جو کچھ آچُکا تھا وہ آپ کی ضروریات سے بہت بڑھ کر تھا۔ اور اس کا ثبوت وہ سخاوت ہے جو حضرت خدیجہؓ کے اپنا مال آپؐ کی خدمت میں پیش کرنے پر آپ نے دکھائی۔

پس آپؐ کی دُنیا سے بے نیازی اور بے رغبتی، اور اس پر ضرورت سے بہت زیادہ مال، اور محبت کرنے والے اہل خانہ، ایک پرسکون زندگی گزارنے اور آپ کو دُنیا سے مزید بے نیاز کرنے کے لیے بہت تھا۔ آپؐ تو پہلی دولت بھی لٹاتے پھر رہے تھے۔ بظاہر ہر قسم کی فکر سے آزاد اس تنہائی پسند انسان کے لیے مزید کس چیز کی ضرورت تھی جس کے لیے ساری قوم کی دُشمنی مول لے لی؟ کیا ضرورت تھی جس کے لیے بظاہر ہر قسم کی پُرسکون زندگی کو آپ نے چھوڑ دیا۔ اور پھر سیادت اور قیادت اور پہلے سے بہت بڑھ کر مال و دولت کی پیشکش، اور پیشکش بھی ایسی کہ جس سے مزید دُنیاوی ترقیات کے دروازے کُھل جاتے، اس دور میں ایک دُنیادار انسان کے لئے طاقت اور قیادت اور دولت ہی تو آخری منزل ہے۔ پس دُنیا طلبی سے بہت بڑھ کر کوئی اور مقصد تھا جو آپ کو اس جدوجہد پر قائم رکھے ہوئے تھا۔ اور ہر قسم کی دُنیاوی عزت اور وجاہت اور مال و دولت کی پیشکش پر بھی آپ نے قرآن کریم سے اُن آیات کو نکالنا قبول نہ کیا جن میں غیر اللہ کی پرستش سے منع کیا گیا ہے اور ان کی کمزوریاں ظاہر کی گئی ہیں۔

یہاں پر مختصر طور پر یہ بھی بیان کر دینا غیر مناسب نہیں ہوگا کہ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اپنی فطرتی رحم دلی کی وجہ سے بنی نوع انسان کی ناگفتہ بہ حالت سے ناخوش تھے اور اس لئے معاشرتی اصلاح کے لئے اپنی طرف سے معاشرتی مسائل کے حل کے طور پر یہ سب تعلیم گھڑی تھی اور یہ کہ وہ ایک انتہائی ذہین انسان تھے اس لئے انہوں نے دُنیاوی حالات پر غور وخوض کرکے اس وقت کے مسائل کا یہ حل نکالا۔ پس قرآن کریم آپ کے ذہن کی اختراع ہے نہ کہ کلام الٰہی۔ یہ فلسفہ بگھارنے والوں کو سوچنا چاہئے کہ اگر ایسا تھا تو پھر کیا

یہ سب شان وشوکت اور قیادت اور طاقت حاصل کرنے کے بعد معاشرتی اصلاح میں پیش آنے والی روکوں کو آسانی سے دور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے نہ ہو وہ جب معاشرہ کی اصلاح کا بیڑا اُٹھائے گا تو مدد کہاں سے حاصل کرے گا۔ ظاہری سی بات ہے معاشرہ سے ہی حاصل کرے گا۔ پھر کیوں پہلے یہ غلطی کردی کہ حضرت خدیجہؓ سے تحفۃً حاصل ہوا مال غرباء میں تقسیم کردیا اور پھر جب معاشرہ نے اتنی بڑی پیش کش کی تو کیوں اس پیش کش کو ٹھکرا دیا؟ حنین کے بعد مال کا ڈھیر تقسیم کرتے کرتے اپنی چادر بھی لوگوں کو دے دی۔ کس کے بھروسے سب کچھ ردّ کردیا؟ اگر خدا تعالیٰ کی پشت پناہی حاصل نہ تھی تو پھر ایک طاقتور حکومت بناتے اور اپنے مقصد کے حصول کی خاطر اس مال کو حکومت کے فلاحی کاموں میں لگاتے۔ یہ سب کچھ ٹھکرا دینا تو بہت بڑی نادانی تھی جس کی کسی ادنیٰ سی عقل کے انسان سے بھی توقع نہیں کی جاسکتی۔ آپ کی ذات پاک پر اعتراض کرنے والے ایک طرف کہتے ہو کہ محمد ﷺ بہت ذہین انسان تھے تو ایسی بے مثل تعلیم پیش کردی جو گزشتہ الٰہی تعلیمات کو بھی مات دے گئی اور یوں گویا (نعوذ باللہ) اپنی ذہانت اور لیاقت سے خدا تعالیٰ کو بھی مات دے دی۔ اور دوسری طرف آپ کی ذات سے ایسی نادانی منسوب کرتے ہو۔ یہ بات بلاشبہ درست ہے محمد رسول اللہ ﷺ سب عقلمندوں سے بڑھ کر عقلمند تھے۔ اور یہی عقل و خرد انہیں یہ سُجھاتی تھی کہ کیا خدا تعالیٰ کے علاوہ بھی کوئی ایسی محبوب ہستی ہوسکتی ہے جس کی خاطر یہ سب کچھ چھوڑا جاسکتا ہے؟

آنحضرت ﷺ نے ہر قسم کی تکلیف کا مقابلہ کیا مگر اپنے مقصد سے رُوگردانی نہیں کی

مندرجہ بالا سطور میں، حقیقت تو ثابت ہوگئی کہ آنحضرت ﷺ نے اس پیغام کی حفاظت اور اس امانت کو بنی نوع تک پہنچانے کے لئے نہ صرف پُرآسائش زندگی کو ٹھکرایا بلکہ ہر قسم کی تکالیف کا مقابلہ بھی کیا۔ کیا اپنے اور کیا بیگانے سب آپؐ کی راہ کے کانٹے بن گئے۔ ریگزارِ عرب کا ذرہ ذرہ آپ کی مخالفت میں پہاڑ بن کر سامنے آتا مگر آپ کی اولوالعزمی اور شجاعت اور مردانگی اور متانت و استقامت کی پہاڑ سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتا۔ ابولہب، آپؐ کا چچا آپ کی تبلیغی مہمات میں آپؐ کے پیچھے پیچھے یہ اعلان کرتا جاتا کہ نعوذ باللہ آپؐ پر مرضِ جنون نے حملہ کردیا ہے یا کبھی یہ کہتا کہ آپؐ پر جادو کردیا گیا ہے۔ اس کی بیوی آپ کی راہ میں کانٹے بچھاتی۔ گلیوں بازاروں میں آپ کے خلاف ایک عام تحریک شروع ہوگئی۔ طائف کی سرزمین پر جو سلوک آپ کے ساتھ کیا گیا وہ کس مستشرق کی نظروں سے پوشیدہ ہے؟ محاورۃً نہیں بلکہ حقیقۃً سر سے لے کر پاؤں تک لہولہان ہوگئے۔ خون جوتوں میں بھر گیا اور چلنا دوبھر ہوگیا۔

(بخاری کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکۃ)

جب آپؐ نے انعام واکرام، جاہ وحشمت، سرداری، مال و دولت اور اعلیٰ حسب ونسب والی خوبصورت عورت سے شادی کی پیش کش کو ٹھکرا دیا اور آپؐ نے اور آپؐ کے صحابہؓ نے یہ واضح کردیا کہ یہ سلسلہ کسی لالچ یا طمع کے لئے شروع نہیں کیا گیا تو پھر ایک دوسری انتہا مقابل پر کھڑی کردی گئی۔ ظلم وستم انتہا پر پہنچا دیا گیا۔ اس ظلم وسفا کی کا ایک حصہ وہ تین سال ہیں جب آپؐ کو اور آپؐ کا ساتھ دینے والوں کو شعب ابی طالب میں محصور کردیا گیا۔

(بخاری کتاب وجوب الحج باب شعب ابی طالب)

یہ سوشل بائیکاٹ کی ایسی بہیمانہ شکل تھی کہ تاریخ عالم اس قسم کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ بے سروسامانی اور فاقہ کشی کا شکار، بے بس کمزور اور لاغر انسانوں نے تین سال تپتی گرمیاں اور ٹھٹھرتی سردیاں ایک پہاڑی گھاٹی میں گزاریں۔ لیکن کسی کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی۔ معترض بتا سکتا ہے کہ کونسی حرصِ دُنیا یا ہوا وہوس تھی جس کی خاطر یہ لوگ اپنا سب کچھ داؤ پر لگائے ہوئے تھے۔

پھر ایک دور وہ بھی آیا کہ تمام مکہ کے قبائل کے نمائندے آپ ﷺ کے گھر کے باہر آپ کو قتل کرنے کی نیت سے اکٹھے ہوئے۔ یہ ہجرت کا مشہور واقعہ ہے۔ گزشتہ انبیا کے ذریعے آنے والے عالمی نبی کے بارہ میں یہ عہد لیا گیا تھا کہ تُوَزِّرُوْہُ وَ تُوَقِّرُوْہُ یعنی اس کی مدد کرنا اور اس کی عزت کرنا۔ مگر اہل مکہ مسلسل اس عہد شکنی کے مرتکب ہورہے تھے۔ اس صورت میں ان سے کیے گئے عہد پورے کرنا آپ کے فرائض میں نہیں ہوسکتا۔ ہجرت کا وقت وہ وقت تھا کہ تمام سردار مل کر اپنے اپنے قبیلوں کی نمائندگی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اس امانت میں خیانت کررہے تھے اور آپ کو قتل کرکے اس سلسلہ کی جڑ کاٹ دینے کے درپے تھے۔ کوئی بھی ایسے موقعے پر تمام تر امور بھول کر اپنی زندگی بچانے کی فکر کرتا تو اس پر کوئی حرف نہیں آسکتا تھا۔ مگر اس موقع پر اہل نظر نے کیا دیکھا۔ آپ اُن کی امانتوں کی واپسی کی فکر میں غلطاں تھے۔ ایسے میں آپ نے حکم الٰہی کے سامنے سرجُھکا دیا اور ہجرت کا مصمم ارادہ کرلیا لیکن اپنے زیر سایہ پرورش پانے والے اور بہت ہی محبوب چچا زاد علیؓ کو اپنے بستر پر لٹا دیا تاکہ اگلے دن لوگوں کی امانتیں بحفاظت واپس کرکے مدینہ آجائیں۔ (بخاری کتاب المناقب باب مناقب علی ...) کیا اس سے پہلے کوئی آنکھ ایسی خوش نصیب ہوئی ہے جو ایسا واقعہ دیکھنے کا دعویٰ کرتی ہو۔ کیا کوئی قوم ایسا قابل فخر اور عظیم تاریخی واقعہ پیش کرسکتی ہے؟ نظر بار بار تاریخ کے صفحات سے تھکی ہاری لوٹ آتی ہے۔ ہاں ایک واقعہ ہے جو صرف نوعیت کے لحاظ سے ہی کچھ مشابہ ہے مگر کیفیت میں کہیں کم ہے تاہم دیگر انبیا کے ہجرت کے واقعات کی نسبت رسول کریم ﷺ کی ہجرت کے واقعہ کے کچھ قریب ہے۔ ہم حضرت موسیٰ کے واقعہ کو دیکھتے ہیں جو ہے تو ہجرت کا ہی لیکن حالات کی سنگینی اور خطرات کے لحاظ سے حضرت رسول کریم ﷺ کو پیش آنے والے واقعہ سے کہیں کم۔ کوئی موازنہ اور مقابلہ نہیں ہے۔ مگر تاریخ موازنہ کرنے کے لیے اور کوئی ایسا واقعہ پیش ہی نہیں کرتی جو اس واقعہ سے بعینہٖ مشابہ ہو۔ اس لیے بامرِ مجبوری اسی کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو بھی اپنی قوم کو ظلم اور ستم کی وجہ سے اہل ستم کی بستی سے نکال کرلے جانا پڑا۔ مگر آپؑ نے کیا انتظام کیا؟ بائبل کے مطابق آپ نے اپنی قوم کو یہ تعلیم دی کہ زادراہ کے لئے اپنے مصری ہمسایوں سے کسی نہ کسی بہانے سے عاریۃً زیور وغیرہ لو (عہد نامہ جدید کتاب الخروج باب 12 آیت 35,36)۔ بائبل کے مطابق خدا کا نبی اپنی قوم کو امانتیں لے کر بھاگ جانے کا کہتا ہے، نعوذ باللہ۔ جبکہ اِدھر کیا ہی حسین نمونہ ہے۔ زادراہ مانگنے کا سوال ہی نہیں۔ مکہ کے لوگ اس امین کے پاس اپنی امانتیں رکھوائے ہوئے ہیں۔ اور اسوۂ محمدی کی رو سے سب سے بڑا مرحلہ ان امانتوں کو واپس کرنے کا ہے۔ حضرت موسیٰؑ اکیلے نہیں تھے بلکہ قوم ساتھ تھی۔ ادھر حضرت رسول خدا ﷺ کو اُس رات گھر سے اکیلے نکلنا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جان کا خطرہ نہیں تھا۔ رسول کریم ﷺ ننگی تلواروں کے محاصرہ میں تھے۔ مگر ان امانتوں کی حفاظت کتنی عزیز تھی جو اس قوم کی تھیں جو کہ خدائی امانت میں خیانت کی مرتکب ہورہی تھی۔ پھر انتظام بھی کیا خوب کیا۔ اپنے چچازاد کو اپنے بستر پر سُلایا جو آپ کے بیٹوں کی طرح تھا کیوں کہ آپ کی آغوش میں پلا بڑھا تھا۔ جس سے آپ کی محبت کا اندازہ اس طرح ہوتا ہے کہ بعد میں آپؐ نے اپنی محبوب بیٹی کے لئے بطور خاوند اسے چُنا۔ پس اس درجہ کا امانت دار انسان جو اپنے خون کے پیاسے دشمنوں کی امانتوں کے حق بھی اُن سے بڑھ کر ادا کرنے والا تھا وہ کس طرح خدائی امانت میں خیانت کا مرتکب ہوسکتا تھا؟ آپ کی زندگی کا یہ پہلو ہر شک کو نابود کردینے کے لیے کافی ہے کہ اس درجہ اعلیٰ اخلاق پر فائز انسان جو ادنیٰ ادنیٰ معاملات میں صداقت اور دیانت کا دامن نہیں چھوڑتا اور اس کے لیے اپنی اور اپنے پیاروں کی زندگیاں بھی داؤ پر لگانے سے نہیں ہچکچاتا، کیسے ممکن ہے کہ الٰہی امانت میں خیانت کا مرتکب ہوجائے؟ ٹھہر کر غور کیجئے کہ جس دولت کو بے حیثیت قرار دے کر قدم قدم پر ٹھکرایا، جب وہ امانت کے رنگ میں آپ کے پاس آئی تو اس قدر اہم ہوگئی کہ اپنی جان کے خطرے کے باوجود اس امانت کو اس کے اہل تک پہنچانے کا اہتمام کیا۔ کس طرح ممکن ہے کہ جس الٰہی امانت کی اہمیت اپنی اور اپنے پیاروں کی جانوں کی قیمت سے بھی زیادہ تھی جس پیغام کے لئے اتنی مشکلات برداشت کیں اور اپنی جان پر کھیل کر اس کی حفاظت کی اور اپنے پیاروں کو مہیب خطروں میں ڈالا اور ان کی جانیں تک اس امانت کی حفاظت کی راہ میں قربانی کے لئے پیش کردیں، اس میں خیانت کے مرتکب ہوجاتے اور بعد میں کبھی ردّوبدل کر دیتے؟ وہ تپتی دھوپ میں بھاری پتھر تلے دبے ہوئے نڈھال جانثار، پیاس اور گرمی سے مُونہوں سے باہر لٹکتی زبانیں، وہ کوئلوں پر زندہ جلتے، تڑپتے پیارے، وہ شہداء کے چِرے ہوئے بدن، وہ انتہائی درندگی سے شہید کی گئی پردہ دار مقدس خواتین کے لاشے، یہ سب تو ردّوبدل اور تحریف نہ کرا سکے۔ پھر اور کون سی قیامت باقی تھی جو تحریف ہوجاتی۔ اور پھر ایک مرتبہ اشاعت کے بعد تو ردّوبدل ہو ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ جب وحی تحریری صورت میں مشتہر ہوگئی، حفظ کرلی گئی اور مسلمانوں میں عام ہوگئی تو پھر تو ردّوبدل کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس وقت ردّوبدل کرنا تو اس سلسلہ کی موت تھی۔ یہ تمام ثبوت دیکھ کر لازماً یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ رسول کریمؐ نے قرآن کو بعینہٖ ویسا ہی ہم تک پہنچایا جیسا کہ آپ کو ملا تھا۔

قاری غور کرے کہ ایک طرف دولت مل رہی ہے، اور دوسری طرف انتہائی تنگ دستی اور مفلسی منہ کھولے کھڑی ہے، ایک طرف سیادت ہے اور دوسری طرف سماجی بائیکاٹ۔ یعنی ایک طرف معاشرہ آپ کو اپنے معزز ترین افراد میں شمار کررہا ہے اور دوسری طرف آپ کو ایک ناکارہ عضو کی طرح کاٹ کر پھینک دینے کی دھمکی دی جارہی ہے۔ ایک طرف عزت اور مرتبہ ہے اور دوسری طرف ہر شرف سے محرومی۔ ایک طرف وطن کی سرداری ہے اور دوسری طرف جلاوطنی۔ ایک طرف اعلیٰ حسب نسب کے بااختیار خاندان سے رشتہ داری اور دوسری طرف مصائب میں پھنسے ادنیٰ غلاموں سے دُنیاوی اعتبار سے بظاہر غیر منفعت بخش تعلق اور وہ تعلق بھی ٹوٹتا دکھائی دے رہا ہے۔ ایسے غلام جو خود پر بھی حق نہیں رکھتے تھے۔ ایک طرف اعلیٰ حسب نسب اور طاقت کا حامل اپنا خاندان ہے، اور دوسری طرف ہر خاندان سے نا صرف قطع تعلقی بلکہ ایک ایسے معاشرے میں جہاں بغیر قبیلے کے زندہ نہیں رہا جاسکتا تنہا زندگی گزارنے کا المناک خوف۔ ایک عام شخص کے لیے جو ان نعمتوں سے پہلے ہی محروم ہو، ان سب نعمتوں کو ٹھکرانا شائد اتنا مشکل نہ ہوتا جتنا آنحضرت ﷺ کے لئے تھا۔ کیونکہ آپ کو یہ نعمتیں اور شرف حاصل تھا۔ آپ معاشرے میں بہت باعزت اور اعلیٰ اور بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ اعلیٰ حسب نسب والے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو صدیوں سے علاقہ کا قائد اور سید تھا۔ پس ان سب نعمتوں کو چھوڑنا ایک آنے والی نعمت کا چھوڑنا نہیں تھا بلکہ اب تک جو کچھ بھی زندگی سے کمایا تھا اس سے محرومی تھی۔ اس ظلم اور تعدی، مشکلات اور مصائب کے ہولناک دور میں اس طرح تمام تر عزت و مرتبت، دولت وشرف، سیادت و قیادت کو ٹھوکر مار دینا اور قرآن کے ایک ایک شعشہ کو سینہ سے چمٹائے رکھنا، کیا یہ سب اس لیے تھا کہ مشکلات کے اس دور سے گزرنے کے بعد قرآن مجید کو بدل دیتے؟

گزشتہ دو عناوین یعنی ”حضور ﷺ نے ہر قسم کی آسائش کو رد کردیا اور قرآن میں کوئی ردّوبدل قبول نہ کیا“ اور ”ہر قسم کی تکلیف کا مقابلہ کیا مگر قرآن میں کوئی ردّوبدل قبول نہ کیا“ کی بحث کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زندگی بخش کلمات کے حسین وجمیل پیرایہ میں دیکھئے۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

”انبیاء کے واقعات عمری اور ان کی سلامت روشی ایسی بدیہی اور ثابت ہے کہ اگر سب باتوں کو چھوڑ کر ان کے واقعات کو ہی دیکھا جائے تو ان کی صداقت ان کے واقعات سے ہی روشن ہورہی ہے۔ مثلاً اگر کوئی منصف اور عاقل ان تمام براہین اور دلائل صدق نبوت حضرت خاتم الانبیاء ﷺ سے جو اس کتاب میں لکھی جائیں گی قطع نظر کرکے محض ان کے حالات پر ہی غور کرے تو بلاشبہ انہیں حالات پر غور کرنے سے ان کے نبی صادق ہونے پر دل سے یقین کرے گا اور کیونکر یقین نہ کرے وہ واقعات ہی ایسے کمال سچائی اور صفائی سے معطر ہیں کہ حق کے طالبوں کے دل بلا اختیار ان کی طرف کھنچے جاتے ہیں۔ خیال کرنا چاہئے کہ کس استقلال سے آنحضرت ﷺ اپنے دعویٰ نبوت پر باوجود پیدا ہوجانے ہزاروں خطرات اور کھڑے ہوجانے لاکھوں معاندوں اور مزاحموں اور ڈرانے والوں کے اول سے اخیر دم تک ثابت اور قائم رہے۔ برسوں تک وہ مصیبتیں دیکھیں اور وہ دکھ اٹھانے پڑے جو کامیابی سے بکلی مایوس کرتے تھے اور روز بروز بڑھتے جاتے تھے کہ جن پر صبر کرنے سے کسی دنیوی مقصد کا حاصل ہوجانا وہم بھی نہیں گزرتا تھا۔ بلکہ نبوت کا دعویٰ کرنے سے از دست اپنی پہلی جمعیت کو بھی کھو بیٹھے اور ایک بات کہہ کر لاکھ تفرقہ خرید لیا اور ہزاروں بلاؤں کو اپنے سر پر بلا لیا۔ وطن سے نکالے گئے۔ قتل کے لئے تعاقب کئے گئے۔ گھر اور اسباب تباہ اور برباد ہوگیا۔ بارہا زہر دی گئی۔ اور جو خیر خواہ تھے وہ بدخواہ بن گئے۔ اور جو دوست تھے وہ دشمنی کرنے لگے اور ایک

باقی صفحہ نمبر 16 پر ملاحظہ فرمائیں

خطبہ جمعہ

پوپ نے بعض ایسی باتیں کہہ کر، جن کا اسلام سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے، قرآن کریم، اسلام اور بانیٔ اسلام ﷺ کے بارہ میں غلط تأثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اِس سے اُن کے اسلام کے خلاف اپنے دلی جذبات کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

(جرمنی میں ایک یونیورسٹی میں لیکچر کے دوران پوپ کے اسلام کے خلاف معترضانہ بیان پر جامع اور بھرپور تبصرہ)

اسلام کے خلاف پھر محاذ کھڑے ہو رہے ہیں اس سے ہم کامیابی سے صرف خدا کے حضور جھکتے ہوئے اور اس سے مدد طلب کرتے ہوئے گزر سکتے ہیں۔ پس خدا کو پہلے سے بڑھ کر پکاریں کہ وہ اپنی قدرت کے جلوے دکھائے۔ جھوٹے خداؤں سے اس دنیا کو نجات ملے۔

مسلمان ملکوں کو بھی سوچنا چاہئے کہ اپنے فروعی اختلافات کو ختم کریں۔ آپس کی لڑائیوں اور دشمنیوں کو ختم کریں۔ ایک ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو بلند کرنے کی کوشش کریں۔ اور ایسے عمل سے باز آجائیں جن سے غیروں کو ان پر انگلی اٹھانے کی جرأت ہو۔

(بعض مرحومین کا ذکر خیر اور نماز جنازہ غائب پڑھانے کا اعلان)

خطبہ جمعہ سیدنا امیرالمومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔ فرمودہ 15؍ستمبر 2006ء بمطابق 15؍تبوک 1385 ہجری شمسی بمقام مسجد بیت الفتوح، لندن (برطانیہ)

(خطبہ جمعہ کا یہ متن ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے)

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ- بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِالْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَاالضَّآلِّيْنَ ۔

کل ایک خبر آئی تھی کہ پوپ نے جرمنی میں ایک یونیورسٹی میں لیکچر کے دوران بعض اسلامی تعلیمات کا ذکر کیا اور قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کسی دوسرے لکھنے والے کے حوالے سے ایسی باتیں کی ہیں جن کا اسلام سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ یہ ان کا ایک طریقہ ہے، بڑی ہوشیاری سے دوسرے کا حوالہ دے کر اپنی جان بھی بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور بات بھی کہہ جاتے ہیں۔ پوپ صاحب نے بعض ایسی باتیں کہہ کر قرآن کریم، اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایک ایسا غلط تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جس سے مسلمانوں میں تو ایک بے چینی پیدا ہوگئی ہوگی، اِس سے اُن کے اسلام کے خلاف اپنے دلی جذبات کا بھی اظہار ہو جاتا ہے۔ پوپ کا ایسا مقام ہے کہ وہ چاہے کسی حوالے سے بھی بات کہتے، ان کے لئے یہ مناسب نہیں تھا کہ ایسی بات کا اظہار کیا جاتا۔

اس وقت جبکہ دنیا میں مسلمانوں کے خلاف مغرب میں کسی نہ کسی حوالے سے نفرت کے جذبات پیدا کئے جا رہے ہیں، پوپ کا ایسی بات کرنا جلتی پر تیل ڈالنے والی بات تھی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ وہ کہتے کہ گو آج بعض شر پسند اسلامی تنظیموں نے متشددانہ طریق اپنایا ہوا ہے لیکن اسلام کی تعلیم اس کے خلاف نظر آتی ہے اور دنیا میں امن قائم رکھنے کے لئے ہمیں مل جل کر کام کرنا چاہئے تا کہ معصوم انسانیت کو تباہی و بربادی سے بچایا جا سکے۔ اس کی بجائے انہوں نے اپنے ماننے والوں کو اس راستے پر لگانے کی کوشش کی ہے کہ اسلام کی تعلیم تو ہے ہی یہ۔ میرا خیال تھا کہ پوپ سلجھے ہوئے انسان ہیں اور عالم آدمی ہیں اور اسلام کے بارے میں بھی کچھ علم رکھتے ہوں گے لیکن یہ بات کر کے انہوں نے بالکل ہی اپنی کم علمی کا اظہار کیا ہے۔ جس مسیح کی خلافت کے وہ دعویدار ہیں اس کی تعلیم پر چلتے ہوئے ان کو تو دنیا میں امن قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے تھی، اس نے تو دشمن سے بھی نیک سلوک کرنے کی تعلیم دی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی طرف غلط باتیں منسوب کر کے ایک طرف تو مسلمانوں کے جذبات سے کھیلا گیا ہے (جیسا کہ مَیں نے کہا ہے) اور پھر ردّ عمل کے طور پر جن کو جذبات پر کنٹرول نہیں ہے وہ ایسی حرکتیں کر جائیں گے جس سے مسلمانوں کے خلاف ان کو مزید Propaganda کا موقع مل جائے گا۔ دوسرے پوپ کے پیروکار اور مغرب میں رہنے والے لوگ جو اسلام کو شدت پسند مذہب سمجھتے ہیں ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف مزید نفرت پھیلے گی۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور دنیا کو فتنے اور فساد سے بچائے۔ احمدیوں کو تو ہمیشہ ہی یہ دعا کرنی چاہئے اور یہ جو سوال اٹھائے گئے اور آگے اپنا لیکچر دیا دعا کے ساتھ ہر ملک میں اس کے جواب بھی دینے چاہئیں۔ ہمارے تو یہی دو ہتھیار ہیں جن سے ہم نے کام لینا ہے، کسی اور ردّ عمل کا نہ کبھی احمدی سے اظہار ہوا ہے اور نہ انشاء اللہ ہوگا۔

مَیں پوپ کے اعتراضات کا خلاصہ پڑھ دیتا ہوں جو انہوں نے قرآن اور آنحضرت ﷺ پر کئے۔ جرمنی سے یہ تفصیل منگوائی گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ مَیں نے ایک مکالمہ پڑھا تھا جس کا متن ایک یونیورسٹی کے پروفیسر نے شائع کیا ہے اور یہ پرانا مکالمہ ایک علم دوست قیصر مینوئیل اور ایک فارسی عالم کے درمیان 1391ء میں انقرہ میں ہوا تھا اور پھر وہی عیسائی عالم اس کو تحریر میں لایا۔ لیکن ساتھ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ کیونکہ یہ مکالمہ عیسائی عالم کی طرف سے شائع ہوا ہے اس لئے انہوں نے اپنی زیادہ بات کی ہے۔ اپنی ایمانداری کا تو یہیں پتہ لگ گیا کہ مسلمان عالم کی باتوں کا ذکر بہت کم ہے اور اپنی باتیں زیادہ کی ہیں۔ بہرحال (جو سوال اٹھائے ہیں) وہ کہتے ہیں کہ مَیں اپنے اس لیکچر میں ایک نکتے پر بات کرنا چاہوں گا اور وہ یہ کہ اس میں قیصر جہاد کا ذکر کرتا ہے اور قیصر کو یقیناً علم تھا کہ مذہب کے معاملے میں اسلام میں جبر نہیں ہے۔ سورۃ بقرہ کی آیت 256 کا حوالہ دے رہے ہیں۔ آگے کہتے ہیں قیصر یقیناً قرآن میں مقدس جنگ یا جہاد سے متعلق بعد کی تعلیمات سے بھی واقف تھا۔ قرآن میں اس حوالے سے جو تفصیلات درج ہیں مثلاً اہل کتاب سے اور کفار سے مختلف قسم کا سلوک کیا جانا چاہئے (یہ انہوں نے اپنی طرف سے حوالہ دے دیا ہے) اور یہ کہتے ہیں کہ قیصر حیران کن تُرش الفاظ میں اپنے شریک گفتگو سے بنیادی سوال کرتا ہے اور اس پر مزید کہتا ہے کہ مذہب اور جبر کا آپس میں کیا تعلق ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ مجھے دکھاؤ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون سی نئی چیز لے کر آئے ہیں۔ تمہیں صرف بُری اور غیر انسانی تعلیمات ہی ملی ہیں جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی کہ ان کے لائے ہوئے مذہب کو تلوار کے زور سے پھیلایا جائے۔ اِنَّا لِلّٰہ۔ اس کے بعد کہتے ہیں قیصر تفصیل سے بیان کرتا ہے کہ کیوں مذہب کو طاقت کے زور سے پھیلانا عقل کے خلاف ہے۔ یہ تعلیم خدا کی ذات اور روح کی ماہیت سے متصادم ہے۔ کہتا ہے کہ خدا کو خونریزی پسند نہیں اور عقل و عمل خدا کی ذات سے متصادم ہے۔ ایمان روح کا پھل ہے جسم کا نہیں۔

پھر آگے کہتے ہیں کہ قیصر جس کی تربیت یونانی فلسفے کے تحت ہوئی تھی اس کے لئے مذکورہ بالا جملہ ایک واضح حقیقت ہے جب کہ اسلامی تعلیم کے مطابق خدا ایک مطلقاً ماورائیت کا حامل وجود ہے اور کسی ارضی کیٹیگری (Category) کا پابند نہیں حتیٰ کہ معقولیت کا بھی نہیں۔ اور پھر آگے فرانسیسی ماہر اسلامیات کے حوالے سے ابن حزم کی ایک بات quote کی ہے کہ کوئی شے خدا کو ہم پر سچ ظاہر کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔ اگر وہ چاہے تو

انسان کو بت پرستی بھی کرنی پڑے گی۔ (پتہ نہیں ابن حزم نے کہا بھی تھا کہ نہیں، کوئی حوالہ آگے نہیں ہے)۔

پھر وہ لکھتے ہیں کہ کیا یہ عقیدہ کہ خدا خلاف عقل کام نہیں کرسکتا یہ یونانی عقیدہ ہے یا یہ ازلی اور فی ذاتہ ایک حقیقت ہے۔ میرے خیال میں یہاں یونانی فکر کی یا خدا پر ایسے ایمان کی جو بائبل پر مبنی ہو آپس میں گہری مطابقت نظر آتی ہے۔ (خیر باقی تو لمبا لیکچر ہے)۔

اس میں جیسا کہ مَیں نے کہا کہ ایک تو خود ہی اس بات کو تسلیم کر رہے ہیں کہ قیصر کے اپنے الفاظ فارسی عالم کے جوابات کے مقابلے میں مفصّل ہیں اور جس عیسائی نے اپنی یہ داستان لکھی ہے، ظاہر ہے کہ اس نے اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے اپنی دلیلوں کو مضبوط کرنا تھا، دوسری طرف کی دلیلیں تو دی نہیں گئیں، یقیناً انصاف سے کام نہیں لیا گیا ہوگا۔ بہرحال یہ جو کچھ بھی تھا، ہم مسلمان کیا سمجھتے ہیں، ہم احمدی کیا سمجھتے ہیں اس بارہ میں مَیں قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ سے مختصراً بیان کرتا ہوں۔ زیادہ تو بیان نہیں ہوسکتا لیکن پوپ کے لئے ان سوالوں کے انشاء اللہ جوابات تیار کئے جائیں گے اور انہیں پہنچانے کی کوشش بھی کی جائے گی تاکہ وہ اسلام کی صحیح تعلیم سے اگر ابھی تک بے بہرہ تھے، ناواقف تھے تو اب ان کو کچھ پتہ لگ جائے، بشرطیکہ اپنے مقام کو سمجھتے ہوئے انصاف سے اس کو پڑھیں اور غور کریں۔

ہمارے دل میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بہت احترام ہے۔ ہم انہیں اللہ تعالیٰ کا نبی مانتے ہیں بلکہ ہر قوم میں جتنے بھی انبیاء آئے سب کو مانتے ہیں اور ان کی عزت کرتے ہیں۔ عیسائیوں کو بھی مسلمانوں کے جذبات کا خیال رکھتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور احترام کرنا چاہئے۔ جیسا کہ مَیں نے کہا کہ قیصر کا حوالہ دے کر پوپ صاحب یہ کہتے ہیں کہ سورۃ بقرہ کی آیت 256 کا قیصر کو یقیناً علم تھا۔ اور یہ آیت ﴿لَاۤ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ﴾ (البقرہ:257) ہے۔ یعنی دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے۔ کہتے ہیں یہ سورۃ ابتدائی سورتوں میں سے تھی۔ اتنی ابتدائی بھی نہیں، یہ مدینہ کے ابتدائی ایک دو سال کی ہے۔ لیکن قیصر کو بعد کی سورتوں کا بھی علم تھا اور جہاد سے متعلق بعد کی تعلیمات سے بھی واقف تھا۔ واقف تو پتہ نہیں وہ تھا یا نہیں لیکن تعصّب کی نظر ضرور رکھتا تھا۔ کہتے ہیں کہ قرآن میں کفار اور اہل کتاب کے بارے میں مختلف سلوک کرنے کی ہدایت ہے جبکہ مذہب میں جبر کا کوئی تصور نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں نعوذ باللہ بُری اور غیر انسانی تعلیمات ہی ملیں گی اس کے علاوہ کچھ نہیں ملے گا۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا (بقول اُن کے، نعوذ باللہ) کہ اسلام کو تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے۔ خود ہی ایک بات غلط طور پر منسوب کرکے جس کا اسلام کی تعلیم سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، خود ہی یہ فیصلہ صادر کر دیا کہ یہ خلاف عقل باتیں ہیں جو خدا کے انصاف سے متصادم ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک ذی عقل کو قوت یا زور اور ہتھیار درکار نہیں ہیں بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ ایک ذی عقل کو ہتھیار اور طاقت کی ضرورت نہیں۔ یہ تو انہوں نے بالکل ٹھیک بات کی ہے۔ بالکل ضرورت نہیں ہے۔ لیکن آجکل کی جو اِن کی بڑی بڑی طاقتیں ہیں یہ ہزاروں میل دور بیٹھی ہوئی قوموں کے معاملات میں دخل اندازی کرکے طاقت کا استعمال کیوں کر رہی ہیں؟ اس کا جواب انہوں نے نہیں دیا۔ پہلے یہ لوگ اپنے لوگوں کو سمجھائیں کہ کیا صحیح کر رہے ہیں، کیا غلط کر رہے ہیں۔

پھر عیسائیت کی تاریخ میں جو آپس کی جنگیں ہیں وہ نظر نہیں آتیں؟ وہ کس کھاتے میں ڈالتے ہیں؟ پھر سپین میں جو کچھ ہوا وہ کس کھاتے میں ہے؟ جو انکیوئزیشن (Inquisition) ہوئی اس کی تفصیل تو مَیں یہاں بیان نہیں کرتا، ان سب کو علم ہے۔ اب جو یہ فرماتے ہیں کہ وہ بعد کی تعلیمات سے بھی واقف تھا۔ مذہب پھیلانے کے بارے میں اسلام کی تعلیم کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل کیا تھا، اس واقف کار کو تو اس کا پتہ نہیں تھا لیکن وہ عمل کیا تھا، وہ مَیں پیش کرتا ہوں۔

اسلام دین فطرت ہے۔ اس نے یہ تعلیم تو یقیناً نہیں دی کہ اگر تمہارے ایک گال پر کوئی تھپڑ مارے تو دوسرا بھی آگے کر دو۔ جن کو تعلیم دی گئی ہے وہ بتائیں کہ کس حد تک اس پر عمل کر رہے ہیں۔ ان کی تعلیم کے یہی سقم ہیں جنہوں نے اس زمانے میں عیسائیوں کو عیسائیت سے دور کر دیا ہے۔ اتوار کے اتوار جو ایک ہفتے کے بعد چرچ میں جانا ہوتا ہے اس میں بھی اب کوئی نہیں جاتا سوائے بوڑھوں اور بوڑھیوں کے۔ چرچوں کو انہوں نے دوسرے فنکشنز کے لئے کرائے پر دینا شروع کر دیا ہے۔ مغربی دنیا میں بے شمار جگہوں پر چرچوں پر For Sale کے بورڈ لگے ہوئے ہیں۔

امریکہ کے ایک پروفیسر ایڈون لوئیس (Edwin Lewis) نے لکھا کہ بیسویں صدی کے لوگ مسیح کو خدا ماننے کے لئے تیار نہیں۔

پھر سینٹ جونز کالج آکسفورڈ کے پریذیڈنٹ سر سائرل لکھتے ہیں کہ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ یورپ اور امریکہ کے مردوں اور عورتوں کا ایک بڑا حصہ اب عیسائی نہیں رہا۔ اور شاید یہ کہنا بھی صحیح ہوگا کہ ان کی اکثریت اب ایسی ہے۔

اسی طرح افریقہ کے بارہ میں ان لوگوں کے مختلف بیانات ہیں، خود تسلیم کرتے ہیں کہ یہ تعلیم اب ختم ہو رہی ہے تو ان کو پتہ ہے اس لئے ایک ہی حل رہ گیا کہ اسلام کے خلاف غلط قسم کے ہتھکنڈے استعمال کئے جائیں۔

جبر کے بارہ میں اسلام کا جو نظریہ غیر مسلم پیش کرتے ہیں اس کی کیا حقیقت ہے؟ کہتے ہیں کہ قیصر کو قرآن کے احکامات کا علم تھا۔ تو دیکھ لیں قرآن کیا کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَ قُلِ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ فَمَنۡ شَآءَ فَلۡيُؤۡمِنۡ وَّمَنۡ شَآءَ فَلۡيَكۡفُرۡ﴾ (الکہف:30) اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اعلان کروا دیا کہ تم دنیا کو بتا دو کہ اسلام حق ہے اور تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ پس جو چاہے اس پر ایمان لائے اور جو چاہے انکار کردے کیونکہ ﴿لَاۤ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ﴾ (البقرہ:257) کا حکم ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے ﴿قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ‌ فَمَنِ اهۡتَدٰى فَاِنَّمَا يَهۡتَدِىۡ لِنَفۡسِهٖ‌ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَا‌ وَمَاۤ اَنَا عَلَيۡكُمۡ بِوَكِيۡلٍ﴾ (یونس:۱۰۹) یعنی اے رسول! تو لوگوں سے کہہ دے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آیا ہے پس جو شخص ہدایت کو قبول کرے گا اس کا فائدہ اسی کے نفس کو ہوگا اور جو غلط راستے پر چلے گا اس کا وبال بھی اس کی جان پر ہے۔ میں کوئی تمہاری ہدایت کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ اس کا عملی نمونہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھایا۔ چنانچہ جب بنونضیر کو اپنی بعض زیادتیوں اور حرکتوں کی سے جلاوطنی کی سزا ملی تو انصار نے اپنی اولاد کو جو انصار نے پیدائش کے وقت بنونضیر کو دے دی تھی، ان سے واپس لینا چاہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں جو تم دے چکے وہ دے چکے اب دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں، یہ اب ان کے پاس ہی رہیں گے۔

یہ آپؐ کی تعلیم ہی تھی جس کی وجہ سے آپؐ کے خلفاء اور صحابہؓ اس بات کو سمجھتے ہوئے اس کی پابندی کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے ایک غلام خود بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مجھے کئی دفعہ کہا کہ مسلمان ہو جاؤ لیکن میرے انکار پر آپؓ یہ کہتے کہ ٹھیک ہے، اسلام میں جبر نہیں ہے۔ اور جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو فرمایا کہ مَیں تمہیں آزاد کرتا ہوں، جہاں جانا چاہتے ہو چلے جاؤ۔ تو اسلام میں آزادئ مذہب کی یہ تعلیم اور یہ عمل ہیں۔ ایک غلام پر بھی سختی نہیں کی گئی۔ اور پوپ صاحب کہتے ہیں کہ اسلام کے مذہب میں ظلم اور سختی رکھی گئی ہے۔

پھر قرآن کریم فرماتا ہے۔ ﴿وَقُلۡ لِّلَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ وَالۡاُمِّيّٖنَ ءَاَسۡلَمۡتُمۡ‌ؕ فَاِنۡ اَسۡلَمُوۡا فَقَدِ اهۡتَدَوْا ‌ۚ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ‌ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ﴾ (آل عمران:21) اے رسول! ﷺ ان لوگوں کو کہہ دے کہ جنہیں کتاب دی گئی ہے اور جو اُمّی ہیں یعنی بے علم ہیں کہ کیا تم اسلام کو قبول کرتے ہو۔ پس اگر وہ فرمانبرداری اختیار کریں، اسلام قبول کرلیں تو وہ ہدایت پا گئے اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو تیرے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کو دیکھ رہا ہے۔ یعنی اب یہ خدا کا کام ہے وہ خود ہی فیصلہ کرے گا کہ کس کو پکڑنا ہے، کس کو سزا دینی ہے، کس سے کیا سلوک کرنا ہے۔ پس یہ احکام ہیں۔ اور یہ آخری آیت جو مَیں نے پڑھی ہے، یہ فتح مکّہ کے بعد کی ہے جب طاقت تھی۔ پس بودے اعتراضات کی بجائے ان کو عقل اور انصاف سے کام لینا چاہئے۔ اسلام میں جبر کی ایک بھی مثال نہیں ملتی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آپؐ نے جبر کیا۔ آپؐ کو تو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ کوئی منافقت سے اسلام قبول کرے۔ چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک کافر قیدی پیش ہوا اور اس نے آپؐ سے عرض کی کہ مجھے قید کیوں کیا گیا ہے، مَیں تو مسلمان ہوں۔ آپؐ نے فرمایا اب نہیں پہلے اسلام لاتے تو ٹھیک تھا، اب تم جنگی قیدی ہو اور رہائی حاصل کرنے کے لئے مسلمان بن رہے ہو۔ آپؐ نے اس کو جبر سے مسلمان بنانا نہیں چاہا۔ آپ تو چاہتے تھے کہ دل اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کئے جائیں۔ چنانچہ بعد میں اس قیدی کو دو مسلمانوں کی آزادی پر آزاد کر دیا گیا۔

اسلام میں جنگوں کا حکم صرف اُس وقت تک ہے جب تک دشمن جنگ کر رہا ہے یا فتنے کے حالات پیدا کر رہا ہے۔ جب حالات ٹھیک ہو جائیں اور فتنہ ختم ہو جائے تو فرمایا تمہیں کوئی حق نہیں کہ جنگ کرو۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَقٰتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّيَكُوۡنَ الدِّيۡنُ لِلّٰهِ‌ؕ فَاِنِ انۡتَهَوۡا فَلَا عُدۡوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ﴾ (البقرۃ:194) یعنی اے مسلمانو! تم اُن کفار سے جنگ کرو جو جنگ کرتے ہیں، اس وقت تک کہ ملک میں فتنہ نہ رہے اور ہر شخص اپنے خدا کے لئے (نہ کسی ڈر اور تشدد کی وجہ سے) جو دین بھی چاہے رکھ سکے۔ اور اگر یہ کفار اپنے ظلموں سے باز آجائیں تو تم بھی رک جاؤ کیونکہ تمہیں ظالموں کے سوا کسی کے خلاف جنگی کارروائی کرنے کا حق نہیں ہے۔

یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم اُن کفار سے جو تم سے لڑتے ہیں، اُس وقت تک لڑو کہ ملک میں فتنہ نہ رہے۔ اس کے بارے میں ایک جگہ ذکر آیا ہے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم نے اس حکمِ الٰہی کی تعمیل یوں کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب مسلمان بہت تھوڑے تھے اور جو شخص اسلام لاتا تھا اس کو کفار کی طرف سے اسلام کے راستے میں دکھ دیا جاتا تھا۔ بعض کو قتل کر دیا جاتا تھا اور بعض کو قید کر دیا جاتا تھا۔ پس

ہم نے اس وقت تک جنگ کی کہ مسلمانوں کی تعداد اور طاقت زیادہ ہوگئی اور نومسلموں کے لئے فتنہ نہ رہا۔ اس کے بعد جب کفار کی طرف سے فتنہ ختم ہوگیا تو بات ختم ہوگئی۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (سورۃ المائدۃ آیت ۹) کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ کی خاطر مضبوطی سے نگرانی کرتے ہوئے انصاف کی تائید میں گواہ بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو، یہ تقویٰ کے سب سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو۔ اللہ یقیناً اس سے ہمیشہ باخبر رہتا ہے جو تم کرتے ہو۔

پس یہ انصاف تھا جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی ایک انقلاب پیدا کیا اور بعد میں بھی یہ انقلاب پیدا ہوا۔ اگر صحابہ کی زندگیوں کو دیکھیں، ان کے جائزے لیں تو پتہ لگتا ہے کہ جو انقلاب ان میں آیا وہ زبردستی دین بدلنے سے نہیں آتا بلکہ اس وقت آتا ہے جب دل تبدیل ہو جائیں۔ اس وقت آتا ہے جب دشمنوں سے بھی ایسا حسن سلوک ہو کہ دشمن بھی گرویدہ ہو جائے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر عکرمہ جو شدید ترین مخالف اسلام تھا اور جو فرار ہو گیا۔ جب اس کی بیوی نے اس کو واپس لانے کے لئے آپؐ سے معافی کی درخواست کی اور آپؐ نے معاف فرما دیا تو پھر ان میں ایسا انقلاب آیا جو تلوار کے زور سے نہیں لایا جاسکتا۔ ایمان میں وہ ترقی ہوئی جو بغیر محبت کے نہیں ہوسکتی۔ اخلاص سے اس طرح دل پر ہوئے جو بغیر محبت کے نہیں ہوسکتے۔ قربانی کے معیار اس طرح بڑھے جو دلوں کے بدلنے کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتے۔ انہوں نے اسلام کی خاطر جو غیرت دکھائی وہ اس تعلیم کو سمجھنے سے ہی پیدا ہوسکتی ہے۔ اور پھر صحابہ نے محبت اور اسلام کی غیرت کے ایسے ایسے نمونے دکھائے کہ تاریخ ان واقعات سے بھری پڑی ہے۔ یہی عکرمہ جن کا مَیں ذکر کر رہا ہوں، ان کے بارہ میں آتا ہے کہ پہلے ہر لڑائی میں وہ آنحضرت ﷺ کے خلاف لڑا اور اپنی کوششیں اسلام کو مٹانے کے لئے صرف کر دیں۔ بالآخر جب مکّہ فتح ہوا تو جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے آنحضرت ﷺ کی ماتحتی کو اپنے لئے موجب ذلت سمجھ کر مکہ سے بھاگ گیا۔ اور جب وہ مسلمان ہوگئے تو اخلاص کا یہ حال تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں انہوں نے باغیوں کا قلع قمع کرنے میں بے نظیر جانثاریاں دکھائیں۔ اور کہتے ہیں کہ جب ایک جنگ میں سخت گھمسان کا رَن پڑا اور لوگ اس طرح کٹ کٹ کر گر رہے تھے جیسے درانتی کے سامنے گھاس کٹتا ہے، اُس وقت عکرمہ ساتھیوں کو لے کر عین قلب لشکر میں جا گھسے۔ بعض لوگوں نے منع کیا کہ اس وقت لڑائی کی حالت سخت خطرناک ہو رہی ہے اور اس طرح دشمن کی فوج میں گھسنا ٹھیک نہیں ہے۔ لیکن عکرمہ نہیں مانے اور یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے کہ مَیں لات اور عزیٰ کی خاطر محمد رسول اللہ ﷺ سے لڑا ہوں۔ آج خدا کے رستہ میں لڑتے ہوئے پیچھے نہیں رہوں گا۔ اور جب لڑائی کے خاتمہ پر دیکھا گیا تو ان کی لاش نیزوں اور تلوار کے زخموں سے چھلنی تھی۔

ان کی مالی قربانی کے بارہ میں آتا ہے کہ غنیمت کا جتنا مال عکرمہ کو ملتا تھا وہ صدقہ دے دیا کرتے تھے۔ خدمت دین میں بے دریغ خرچ کرتے تھے۔ تو یہ تبدیلیاں جو دلوں میں پیدا ہوتی ہیں یہ تلوار کے زور سے پیدا نہیں ہوتیں۔ (اصابہ واسد الغابہ واستیعاب)

غیر مسلموں کا الزام ہے کہ زبردستی مذہب تبدیل کرتے تھے۔ تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے جو ان باتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ ہم دیکھ ہی آئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی تعلیم کیا تھی۔ ایک واقعہ کا ذکر ہے، آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں مَنْ قَتَلَ مُعَاھِدًا لَمْ یَرِحْ رَآئِحَۃَ الْجَنَّۃِ۔ یعنی جو مسلمان کسی ایسے غیر مسلم کے قتل کا مرتکب ہوگا جو کسی لفظی یا عملی معاہدہ کے نتیجہ میں اسلامی حکومت میں داخل ہو چکا ہے۔ وہ علاوہ اس دنیا کی سزا کے، قیامت کے دن بھی جنت کی ہوا سے محروم رہے گا۔

پھر آپ کے خلفاء کا کیا طریق تھا۔ روایت آتی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ ایک ایسی جگہ سے گزرے جہاں غیر مسلموں سے جزیہ وصول کرنے میں سختی کی جا رہی تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ فوراً رُک گئے اور غصہ کی حالت میں دریافت فرمایا کہ کیا معاملہ ہے۔ عرض کیا گیا کہ یہ لوگ جزیہ ادا نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی طاقت نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ان پر وہ بوجھ ڈالا جائے جس کی یہ طاقت نہیں رکھتے، انہیں چھوڑ دو۔ مَیں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص دنیا میں لوگوں کو تکلیف دیتا ہے وہ قیامت کے دن خدا کے عذاب کے نیچے ہوگا۔ چنانچہ ان لوگوں کو جزیہ معاف کر دیا گیا۔

(کتاب الخراج فصل فی من تجب علیہ الجزیۃ)

حضرت عمرؓ کو آنحضرت ﷺ کے تاکیدی ارشادات کے ماتحت اپنی غیر مسلم رعایا کا اس قدر خیال تھا کہ انہوں نے فوت ہوتے وقت خاص طور پر ایک وصیت کی جس کے الفاظ یہ تھے کہ مَیں اپنے بعد میں آنے والے خلیفہ کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا سے بہت نرمی اور شفقت کا معاملہ کرے، ان کے معاہدات کو پورا کرے، ان کی حفاظت کرے، ان کے لئے ان کے دشمنوں سے لڑے اور ان پر قطعاً کوئی ایسا بوجھ یا ذمہ داری نہ ڈالے جو ان کی طاقت سے زیادہ ہو۔ (کتاب الخراج صفحہ 72)

اگر زبردستی مسلمان کیا جاتا تو پھر یہ صورت کیوں ہوتی۔ پھر خیبر کے یہودیوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا معاہدہ ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ ان سے محاصل کی وصولی کے لئے اپنے صحابی عبداللہ بن رواحہؓ کو بھیجا کرتے تھے۔ آپ کی تعلیم کے ماتحت عبداللہ بن رواحہ فصل کی بٹائی میں اس قدر نرمی سے کام لیتے تھے کہ فصل کے دو حصے کر کے یہودیوں کو اختیار دے دیتے تھے کہ ان حصوں میں سے جو حصہ تم پسند کرو لے لو اور پھر جو حصہ پیچھے رہ جاتا تھا وہ خود لے لیتے تھے۔ (ابوداؤد کتاب البیوع باب فی المساقاۃ)

جیسا کہ مَیں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور تعامل کے ماتحت حضرت عمرؓ کو اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا کے حقوق اور آرام کا بہت خیال تھا۔ وہ اپنے گورنروں کو تاکید کرتے رہتے تھے کہ ذمیوں کا خاص خیال رکھیں اور خود بھی پوچھتے رہتے تھے کہ تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ ذمیوں کا ایک وفد حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو حضرت عمرؓ نے ان سے پہلا سوال یہی کیا کہ مسلمانوں کی طرف سے تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے مسلمانوں کی طرف سے حسنِ وفا اور حسنِ سلوک کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ (طبری جلد 5 صفحہ 2560)

جب شام فتح ہوا تو مسلمانوں نے شام کی عیسائی آبادی سے ٹیکس وصول کیا لیکن اس کے تھوڑے عرصے بعد رومی سلطنت کی طرف سے پھر جنگ کا اندیشہ پیدا ہو گیا جس پر شام کے اسلامی امیر حضرت ابوعبیدہؓ نے تمام وصول شدہ ٹیکس عیسائی آبادی کو واپس کر دیا اور کہا کہ جنگ کی وجہ سے جب ہم تمہارے حقوق ادا نہیں کر سکتے تو ہمارے لئے جائز نہیں کہ یہ ٹیکس اپنے پاس رکھیں۔ عیسائیوں نے یہ دیکھ کر بے اختیار مسلمانوں کو دعا دی اور کہا خدا کرے تم رومیوں پر فتح پاؤ اور پھر اس ملک کے حاکم بنو۔

(کتاب الخراج ابویوسف صفحہ 80-82۔ فتوح البلدان بلاذری صفحہ 146)

مسلمانوں کا یہ سلوک تھا۔ چنانچہ جب دوبارہ فتح ہوئی اور مسلمان پھر واپس آئے تو پھر اسی طرح ٹیکس وصول ہونا شروع ہو گیا۔ اب یہ بتائیں کہ کیا اس کو زبردستی کہتے ہیں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ذات پر الزام لگانے والے اگر انصاف کی نظر سے دیکھیں، تاریخ پڑھیں تو ان کو نظر آئے گا کہ آپؐ غیر مسلموں کا کتنا درد رکھتے تھے۔ اسلام کی دعوت دیتے تھے تو پیار اور نرمی کے ساتھ کہ اس شخص کی جان کے لئے فائدہ ہے۔

ایک روایت میں ذکر آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ اپنے غلبہ اور حکومت کے زمانے میں بھی غیر مسلموں کے احساسات کا بہت خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ مدینے میں ایک یہودی نوجوان بیمار ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپؐ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ اور اس کی حالت کو نازک پا کر آپؐ نے اسے اسلام کی تبلیغ فرمائی۔ وہ آپؐ کی تبلیغ سے متاثر ہوا مگر چونکہ اس کا باپ زندہ تھا اور اس وقت پاس ہی کھڑا تھا وہ ایک سوالیہ شکل بنا کے اپنے باپ کو دیکھنے لگا۔ باپ نے بیٹے سے کہا کہ اگر تم قبول کرنا چاہتے ہو تو کر لو۔ چنانچہ لڑکے نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایک روح آگ کے عذاب سے بچ گئی۔

(بخاری کتاب الجنائز باب اذا اسلم الصبی)

اب اس قرآنی تعلیم سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کی چند مثالوں سے جو مَیں نے بیان کی ہیں ظلم کی اور جو الزام لگایا جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے اس کی حقیقت تو واضح ہوگئی۔ یہ تو پتہ چل گیا کہ اسلام کس طرح پھیلا ہے۔ اور شروع میں جو مَیں نے بتایا تھا کہ سپین میں کیا سلوک ہوا اس سے ان لوگوں کی حقیقت بھی واضح ہوگئی۔

انصاف پسند عیسائی مستشرقین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ اس کی بھی مَیں چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

کارلائل صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ”ہم لوگوں (یعنی عیسائیوں) میں جو یہ بات مشہور ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک پُرفن اور فطرتی شخص اور جھوٹے دعویدار نبوت تھے اور ان کا مذہب دیوانگی اور خام

DEAN MANSON SOLICITORS
We specialise in Immigration & Nationality law; Commercial,
Media & Entertainment, Conveyancing, Employment,
Family & Ancillary Proceedings, Criminal & Civil Litigation
CONTACT
MUZAFFAR MANSOOR & EJAZ BAIG
243-245 MITCHIM ROAD TOOTING, LONDON SW17 9JQ
TEL: 020 8767 5000 — FAX: 020 8767 0456
EMAIL: info@dmansonsolicitors.com

خیالی کا ایک تودہ ہے۔ اب یہ سب باتیں لوگوں کے نزدیک غلط ٹھہرتی جاتی ہیں۔ جو جھوٹی باتیں متعصب عیسائیوں نے اس انسان (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت بنائی تھیں اب وہ الزام قطعاً ہماری روسیاہی کا باعث ہیں۔ اور جو باتیں اس انسان (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی زبان سے نکالی تھیں 1200 برس سے 18 کروڑ آدمیوں کے لئے بمنزلہ ہدایت کے قائم ہیں۔ (اُس وقت 18 کروڑ تھے جب انہوں نے لکھا تھا)۔ اس وقت جتنے آدمی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کلام پر اعتقاد رکھتے ہیں اس سے بڑھ کر اَور کسی کے کلام پر اس زمانے کے لوگ یقین نہیں رکھتے۔ میرے نزدیک اس خیال سے بدتر اور ناخدا پرستی کا کوئی دوسرا خیال نہیں ہے کہ جھوٹے آدمی نے یہ مذہب پھیلایا۔

(Thomas Carlyle,'On Heros,Hero-Worship and the Heroic in History'.Pages 43&44

U of Nebraska Press(1966)

پھر سر ولیم میور (یہ کافی متعصب بھی ہیں، بعض باتیں غلط بھی لکھی ہوئی ہیں) یہ بھی لکھتے ہیں کہ ”ہم بلاتامل اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیشہ کے واسطے اکثر توہمات باطلہ کو جن کی تاریکی مدتوں سے جزیرہ نمائے عرب پر چھا رہی تھی کالعدم کر دیا۔ بلحاظ معاشرت کے بھی اسلام میں کچھ کم خوبیاں نہیں ہیں۔ مذہب اسلام اس بات پر فخر کر سکتا ہے کہ اس میں پرہیزگاری کا ایک ایسا درجہ موجود ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں ہے“۔

(Sir William Muir 'The Life of Muhammad' Vol.IV.Page 534.Kessinger

Publishing.(1st published 1878, this edition 2003)

پھر ایڈورڈ گبن لکھتے ہیں ”حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت میں سب سے آخری بات جو غور کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ ان کی رسالت لوگوں کے حق میں مفید ہوئی یا مضر؟ جو لوگ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سخت دشمن ہیں وہ بھی اور عیسائی اور یہودی بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو باوجود پیغمبر برحق نہ ماننے کے اس بات کو ضرور تسلیم کریں گے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دعویٰ نبوت ایک نہایت مفید مسئلے کی تلقین کے لئے کیا تھا۔ گو وہ یہ کہیں کہ صرف ہمارے ہی مذہب کا مسئلہ اس سے اچھا ہے۔ گویا وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ سوائے ہمارے مذہب کے تمام دنیا کے اَور مذاہب سے مذہب اسلام اچھا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے خون کے کفارے کو نماز و روزہ و خیرات سے بدل دیا جو ایک پسندیدہ اور سیدھی سادی عبادت ہے۔ یعنی جو انسان کی قربانی بتوں پر ہوتی تھی اس کو معدوم کر دیا۔ آنحضرتؐ نے مسلمانوں میں نیکی اور محبت کی ایک روح پھونک دی، آپس میں بھلائی کرنے کی ہدایت کی اور اپنے احکام اور نصیحتوں سے انتقام کی خواہش اور بیوہ عورتوں اور یتیموں پر ظلم و ستم کو روک دیا۔ قومیں جو ایک دوسرے کی جانی دشمن تھیں وہ اعتقاد و فرمانبرداری میں متفق ہوگئیں اور خانگی جھگڑوں میں جو بہادری بیہودہ طور سے صرف ہوتی تھی وہ نہایت مستعدی سے غیر ملک کے دشمن کے مقابلے پر مائل ہوگئی“۔

(Edward Gibbon'The History of the Decline and Fall of the Roman Empire'

Vol.V.Page 231.Penguins Classics(1st published 1788.this edition 1996)

پھر جان ڈیون پورٹ لکھتے ہیں ”اِس بات کا خیال کرنا بہت بڑی غلطی ہے کہ قرآن میں جس عقیدے کی تلقین کی گئی ہے اس کی اشاعت بزور شمشیر ہوئی۔ کیونکہ جن لوگوں کی طبیعتیں تعصب سے مبرّاء ہیں وہ بلاتامل اس بات کو تسلیم کریں گے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین جس کے ذریعہ سے انسانوں کی قربانی کے بدلے نماز اور خیرات جاری ہوئی اور جس نے عداوت اور دائمی جھگڑوں کی جگہ فیاضی اور حسن معاشرت کی ایک روح لوگوں میں پھونک دی۔ وہ مشرقی دنیا کے لئے ایک حقیقی برکت تھا اور اسی وجہ سے خاص کر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان خونریز تدبیروں کی ضرورت نہ ہوئی جن کا استعمال بلا استثناء اور بلا امتیاز حضرت موسیٰؑ نے بت پرستی کے نیست و نابود کرنے کے لئے کیا تھا۔ پس ایسے اعلیٰ وسیلہ کی نسبت جس کو قدرت نے بنی نوع انسان کے خیالات و مسائل پر مدت دراز تک اثر ڈالنے کے لئے پیدا کیا ہے گستاخانہ پیش آنا اور جاہلانہ مذمت کرنا کیسی لغو بات ہے“۔

(John Devonport 'An Apology for Muhammad and the Quran'.(1st published 1869)

ایڈورڈ گبن صاحب لکھتے ہیں ”مسلمانوں کی لڑائیوں کو ان کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مقدس قرار دیا تھا مگر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی حیات میں جو مختلف نصیحتیں کیں اور نظیریں قائم کیں ان سے خلفاء نے دوسرے مذاہب کو آزادی دینے کا سبق حاصل کیا۔ ملک عرب میں حضرت محمد (ﷺ) کے خدا کی عبادت گاہ اور ان کا مفتوحہ ملک تھا۔ اگر وہ چاہتے تو وہاں کے بہت سے دیوتاؤں کے ماننے والوں اور بت پرستوں کو شرعاً نیست و نابود کر سکتے تھے، مگر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انصاف کو قائم فرما کر نہایت عاقلانہ تدبیریں اختیار کیں“۔

(Edward Gibbon'The History of the Decline and Fall of the Roman Empire'

Vol.V.Page 315.Penguins Classics(1st published 1788.this edition 1996)

کاؤنٹ ٹالسٹائے لکھتے ہیں کہ ”اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک عظیم المرتبت مصلح تھے جنہوں نے انسانوں کی خدمت کی۔ آپؐ کے لئے یہ فخر کیا کم ہے کہ آپؐ امت کو نورِ حق کی طرف لے گئے اور اسے اس قابل بنا دیا کہ وہ امن و سلامتی کی دلدادہ ہو جائے۔ زہد و تقویٰ کی زندگی کو ترجیح دینے لگے۔ آپ نے اسے انسانی خونریزی سے منع فرمایا۔ اس کے لئے حقیقی ترقی اور تمدن کی راہیں کھول دیں۔ اور یہ ایک ایسا عظیم الشان کام ہے جو اس شخص سے انجام پا سکتا ہے جس کے ساتھ کوئی مخفی قوت ہو اور ایسا شخص یقیناً عام اکرام و احترام کا مستحق ہے۔

(Count Tolstoy.Islamic Network.accessed via http://www.islaam.net/main/)

پھر برنارڈ شا لکھتے ہیں کہ ”ازمنہ وسطیٰ میں عیسائی راہبوں نے جہالت اور تعصب کی وجہ سے مذہب اسلام کی بڑی بھیانک تصویر پیش کی ہے۔ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ انہوں نے تو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اچھے لفظوں میں یاد نہیں کیا۔ مَیں نے ان باتوں کا بغور مطالعہ اور مشاہدہ کیا ہے اور مَیں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک عظیم ہستی اور صحیح معنوں میں انسانیت کے نجات دہندہ ہیں“۔

(George Bernard Shaw 'The Genuine Islam' Vol.1 No.8 (1936) accessed from

Wikipedia via:http:// en.wikipedia.org/wiki/Non-Islamic-views-of-Muhammad)

پھر ایک عیسائی مؤرخ ریورنڈ باسورتھ سمتھ کہتے ہیں کہ ”مذہب اور حکومت کے رہنما اور گورنر کی حیثیت سے پوپ اور قیصر کی دو شخصیتیں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ایک وجود میں جمع تھیں۔ آپ پوپ تھے مگر پوپ کی طرح ظاہرداریوں سے پاک۔ آپ قیصر تھے لیکن قیصر کے جاہ و حشم سے بے نیاز۔ اگر دنیا میں کسی شخص کو یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ اس نے باقاعدہ فوج کے بغیر، محل شاہی کے بغیر اور لگان کی وصولی کے بغیر صرف خدا کے نام پر دنیا میں امن و انتظام قائم رکھا تو وہ صرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ آپ کو اس ساز و سامان کے بغیر ہی سب کی سب طاقتیں حاصل تھیں“۔

(R.Bosworth Smith 'Muhammad and Muhammadanism' pade 262.Book tree.(1st

published 1876,this edition 2002)

پھر پرنگل کینیڈی صاحب لکھتے ہیں کہ ”کھلے لفظوں میں (کہا جائے تو) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) زمانے کے عظیم انسان تھے۔ آپؐ کی حیران کن کامیابی کے لئے ہمیں لازماً ان کے حالات زمانہ کو سمجھنا چاہئے۔ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے ساڑھے پانچ سو سال بعد آپؐ اس دنیا میں تشریف لائے۔ اس زمانے میں یونان، روم اور بحیرۂ عرب کی ایک سو ایک ریاستوں کے تمام قدیم مذاہب اپنی افادیت کھو چکے تھے۔ اس کی جگہ رومن حکومت کا دبدبہ ایک زندہ حقیقت کا روپ دھار چکا تھا اور شہنشاہ قیصر روم کے مطابق حکومت وقت کی پرستش اور اطاعت گویا رومی حکومت کا مذہب بن چکا تھا۔ یہ بجا کہ دیگر مذاہب بھی موجود تھے مگر وہ اپنے مذہب کے باوجود اس نئی عوامی روش کے پابند ہو چکے تھے۔ لیکن شہنشاہیت روما دنیا کو سکون نہ دے سکی۔ چنانچہ مشرقی مذاہب اور مصر، شام اور ایران کی توہم پرستی نے رومی سلطنت میں نفوذ شروع کیا اور مذہبی لوگوں کی اکثریت کو زیر اثر کر لیا۔ ان تمام مذاہب کی مہلک خرابی یہ تھی کہ وہ کئی پہلوؤں سے قابل شرم حد تک گر چکے تھے۔ عیسائیت جس نے چوتھی صدی میں سلطنت روما کو فتح کیا تھا، رومن اقتدار اپنا چکی تھی۔ اب عیسائیت وہ خالص فرقہ نہ رہا تھا جس کی تعلیم اسے تین صدیاں قبل دی گئی تھی، وہ سراسر غیر روحانی، تموّل پسند اور مادیت زدہ ہو چکی تھی۔ پھر کیسے چند ہی سالوں میں اس حالت میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا؟ ہاں یہ کیسے ہوا کہ 650ء میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد) دنیا کا ایک بہت بڑا خطہ پہلے کے مقابل پر ایک مختلف دنیا میں تبدیل ہو گیا۔ بلاشبہ یہ تاریخ انسانی کا ایک نہایت شاندار باب ہے۔ پھر یہ انقلاب آگے بڑھا...... انتہا پرست عیسائیوں اور مستشرقین کی مخالفانہ رائے کے باوجود ان گہرے اثرات میں کوئی کمی نہیں آ سکتی جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی نے تاریخ عالم پر ثبت کئے۔ ماننا پڑتا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) انسان کے برپا کردہ انقلاب کی اعلیٰ ترین مثال ہیں“۔

(Pringle Kennedy .'Arabian Society at the time of Muhammad'. pages 8,10,18,21)

ایس پی سکاٹ لکھتے ہیں کہ ”اگر مذہب کا مقصد اخلاق کی ترویج، برائی کا خاتمہ، انسانی خوشی و خوشحالی کی ترقی اور انسان کی ذہنی صلاحیتوں کا جلا ہے اور اگر نیک اعمال کی جزا اسی بڑے دن ملنی ہے جب تمام بنی نوع انسان قیامت کے دن خدا کے حضور پیش کئے جائیں گے تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بلاشبہ خدا کے رسول تھے، ہرگز بے بنیاد اور بے دلیل (دعویٰ) نہیں ہے“۔

(S.P.Scott,'History of The Moorish Empire in Europe'. Page 126)

کافی حوالے ہیں لیکن میں مختصر کرتا ہوں۔

Ruth Cranston 'World Faith' میں لکھتے ہیں کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی بھی جنگ یا خونریزی کا آغاز نہیں کیا۔ ہر جنگ جو انہوں نے لڑی مدافعانہ تھی۔ وہ اگر لڑے تو اپنی بقا کو برقرار رکھنے کے لئے اور ایسے اسلحہ اور طریق سے لڑے جو اس زمانے کا رواج تھا۔ یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ چودہ کروڑ (یہ 1950ء کے قریب کی پرانی بات ہے) عیسائیوں میں سے جنہوں نے حال ہی میں ایک لاکھ بیس ہزار سے زائد انسانوں کو ایک بم سے ہلاک کر دیا ہو، کوئی ایک قوم بھی ایسی نہیں جو ایک ایسے لیڈر پر شک کی نظر ڈال سکے جس نے اپنی تمام جنگوں کے بدترین حالات میں بھی صرف پانچ یا چھ سو افراد کو ہلاک کیا ہو۔ ساتویں صدی کے تاریکی کے دور میں جب لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہوں، عرب کے نبی کے ہاتھوں ہونے والی ان ہلاکتوں کا آج کی روشن بیسویں صدی کی ہلاکتوں سے مقابلہ کرنا ایک حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ جو قتل انکیوئزیشن (Inquisition) اور صلیبی جنگوں کے زمانے میں ہوئے اس کے بیان کی تو حاجت ہی نہیں جب عیسائی جنگجوؤں نے اس بات کو ریکارڈ کیا کہ وہ ”ان مسلمان بے دینوں کی کٹی پھٹی لاشوں کے درمیان ٹخنے ٹخنے خون میں لت پت تھے“۔

(Ruth Cranston 'World Faith', p:155 Ayer publishing (1949)

پھر ڈیون پورٹ لکھتے ہیں ”یہ بات یقینی طور پر کامل سچائی کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اگر مسلمان مجاہدین اور ترکوں کی جگہ ایشیا کے حکمران مغربی شہزادے ہو گئے ہوتے تو مسلمانوں کے ساتھ اس مذہبی رواداری کا سلوک نہ کرتے جو مسلمانوں نے عیسائیت کے ساتھ کیا۔ کیونکہ عیسائیت نے تو اپنے ان ہم مذہبوں کو نہایت تعصب اور ظلم کے ساتھ تشدد کا نشانہ بنایا جن کے ساتھ ان کے مذہبی اختلافات تھے“۔

(John Davonport 'An Apology for Muhammad and the Quran'(1st published 1869)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”مضمون پڑھنے والے نے ایک یہ اعتراض پیش کیا کہ قرآن شریف میں لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم ہے۔ (فرماتے ہیں کہ) معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو نہ اپنی ذاتی کچھ عقل ہے اور نہ علم۔ صرف پادریوں کا کاسہ لیس ہے۔ کیونکہ پادریوں نے اپنے نہایت کینہ اور بغض سے جیسا کہ ان کی عادت ہے، محض افتراء کے طور پر اپنی کتابوں میں یہ لکھ دیا ہے کہ اسلام میں جبراً مسلمان بنانے کا حکم ہے۔ سو اس نے اور اس کے دوسرے بھائیوں نے بغیر تحقیق اور تفتیش کے وہی پادریوں کے مفتریانہ الزام کو پیش کر دیا۔ قرآن شریف میں تو کھلے کھلے طور پر یہ آیت موجود ہے لَاۤ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ (البقرہ:257) یعنی دین میں کوئی جبر نہیں، تحقیق ہدایت اور گمراہی میں کھلا کھلا فرق ظاہر ہو گیا ہے۔ پھر بھی جبر کی کیا حاجت ہے۔ تعجب کہ باوجودیکہ قرآن شریف میں اس قدر تصریح سے بیان فرمایا ہے کہ دین کے بارے میں جبر نہیں کرنا چاہئے پھر بھی جن کے دل بغض اور دشمنی سے سیاہ ہو رہے ہیں۔ ناحق خدا کے کلام پر جبر کا الزام دیتے ہیں۔

اب ہم ایک اور آیت لے کر منصفین سے انصاف چاہتے ہیں کہ وہ خدا سے ڈر کر ہمیں بتلاویں کہ کیا اس آیت سے جبر کی تعلیم ثابت ہوتی ہے یا برخلاف اس کے ممانعت جبر کا حکم بپایہ ثبوت پہنچتا ہے۔ اور وہ آیت یہ ہے کہ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ اسْتَجَارَکَ فَاَجِرْہُ حَتّٰی یَسْمَعَ کَلٰمَ اللّٰہِ ثُمَّ اَبْلِغْہُ مَاْمَنَہٗ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْلَمُوْنَ (الجزنمبر 10 سورۃالتوبہ) اگر تجھ سے اے رسول! کوئی مشرکوں میں سے پناہ کا خواستگار ہو تو اس کو پناہ دے دو اور اس وقت تک اس کو اپنی پناہ میں رکھو کہ وہ اطمینان سے خدا کے کلام کو سن سمجھ لے اور پھر اُس کو اس کی امن کی جگہ پر واپس پہنچا دو۔ یہ رعایت ان لوگوں کے حق میں اس وجہ سے کرنی ضرور ہے کہ یہ لوگ اسلام کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر قرآن شریف جبر کی تعلیم کرتا تو یہ حکم نہ دیتا کہ جو کافر قرآن شریف کو سننا چاہے تو جب وہ سن چکے اور مسلمان نہ ہو تو اُس کو اُس کی امن کی جگہ پہنچا دینا چاہئے بلکہ یہ حکم دیتا کہ جب ایسا کافر قابو میں آجاوے تو وہیں اُس کو مسلمان کر لو“۔

(چشمۂ معرفت۔روحانی خزائن جلد 23صفحہ232-233)

اگلا سوال جو انہوں نے اٹھایا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کا خدا ایسا خدا ہے جس کو عقل تسلیم نہیں کرتی۔ اسلام کا خدا تو ایسا خدا ہے جو اپنے وجود کو تسلیم کرانے کے لئے انسانوں کو عقل کی طرف بلاتا ہے۔ اگر یہ تصور ہر ایک میں ہے کہ خدا زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا ہے اور اس کا مالک ہے تو پھر یہ بھی تسلیم کرنا چاہئے کہ وہ تمام قدرتوں کا مالک ہے۔ اسلام کے خدا کے نظریہ استہزاء اڑانے کی بجائے عقل اور تدبر کی ضرورت ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ: ”اسلام کا خدا وہی سچا خدا ہے جو آئینہ قانون قدرت اور صحیفۂ فطرت سے نظر آ رہا ہے۔ اسلام نے کوئی نیا خدا پیش نہیں کیا بلکہ وہی خدا پیش کیا ہے جو انسان کا نورِ قلب اور انسان کا کانشنس اور زمین و آسمان پیش کر رہا ہے“۔

(تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ15)

پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ ”جاننا چاہئے کہ جس خدا کی طرف ہمیں قرآن شریف نے بلایا ہے اس کی اس نے یہ صفات لکھی ہیں۔ ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ۔ ھُوَا لرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ۔ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُھَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ۔ ھُوَاللّٰہُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی۔ یُسَبِّحُ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَا لْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْم۔ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ۔ اَللّٰہُ الصَّمَدُ۔ لَمْ یَلِدْ۔ وَلَمْ یُوْلَدْ۔ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔ یعنی وہ خدا جو واحد لاشریک ہے، جس کے سوا کوئی بھی پرستش اور فرمانبرداری کے لائق نہیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ اگر وہ لاشریک نہ ہو تو شاید اس کی طاقت پر دشمن کی طاقت غالب آ جائے۔ اس صورت میں خدائی معرض خطرہ میں رہے گی۔ اور یہ جو فرمایا کہ اس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ وہ ایسا کامل خدا ہے جس کی صفات اور خوبیاں اور کمالات ایسے اعلیٰ اور بلند ہیں کہ اگر موجودات میں سے بوجہ صفات کاملہ کے ایک خدا انتخاب کرنا چاہیں یا دل میں عمدہ سے عمدہ، اعلیٰ سے اعلیٰ خدا کی صفات فرض کریں تو وہ سب سے اعلیٰ جس سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ نہیں ہو سکتا، وہی خدا ہے جس کی پرستش میں ادنیٰ کو شریک کرنا ظلم ہے“۔

پس اسلام تو ہر قسم کے شرک سے پاک ہے۔ یہ ظلم اور شرک تو عیسائی کر رہے ہیں جو اللہ کے ایک نبی کو خدا بنا کر کھڑا کر دیا ہے۔

”پھر فرمایا کہ عالم الغیب ہے۔ یعنی اپنی ذات کو آپ ہی جانتا ہے۔ اس کی ذات پر کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ ہم آفتاب اور ماہتاب اور ہر ایک مخلوق کا سراپا دیکھ سکتے ہیں۔ مگر خدا کا سراپا دیکھنے سے قاصر ہیں۔ پھر فرمایا کہ وہ عالم الشہادۃ ہے۔ یعنی کوئی چیز اس کی نظر سے پردہ میں نہیں ہے۔ یہ جائز نہیں کہ وہ خدا کہلا کر پھر علم اشیاء سے غافل ہو۔ وہ اس عالم کے ذرّہ ذرّہ پر اپنی نظر رکھتا ہے لیکن انسان نہیں رکھ سکتا۔ وہ جانتا ہے کہ کب اس نظام کو توڑ دے گا اور قیامت برپا کر دے گا۔ اور اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ایسا کب ہو گا۔ سو وہی خدا ہے جو ان تمام وقتوں کو جانتا ہے۔ پھر فرمایا ھُوَ الرَّحْمٰنُ یعنی وہ جانداروں کی ہستی اور ان کے اعمال سے پہلے محض اپنے لطف سے، نہ کسی غرض سے اور نہ کسی عمل کی پاداش میں ان کے لئے سامان راحت میسّر کرتا ہے۔ جیسا کہ آفتاب اور زمین اور دوسری تمام چیزوں کو ہمارے وجود اور ہمارے اعمال کے وجود سے پہلے ہمارے لئے بنا دیا۔ اس عطیہ کا نام خدا کی کتاب میں رحمانیت ہے اور اس کام کے لحاظ سے خدا تعالیٰ رحمٰن کہلاتا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ الرَّحِیْم یعنی وہ خدا نیک عملوں کی نیک تر جزا دیتا ہے اور کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔ اور اس کام کے لحاظ سے رحیم کہلاتا ہے۔ اور یہ صفت رحیمیت کے نام سے موسوم ہے۔ اور پھر فرمایا مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ یعنی وہ خدا ہر ایک کی جزا اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔ اس کا کوئی ایسا کارپرداز نہیں جس کو اس نے زمین و آسمان کی حکومت سونپ دی ہو اور آپ الگ ہو بیٹھا ہو۔ اور آپ کچھ نہ کرتا ہو۔ وہی کارپرداز سب کچھ جزا سزا دیتا ہو یا آئندہ دینے والا ہو“۔ اس کو ضرورت تو کوئی نہیں۔ وہ سب قدرتوں کا مالک ہے۔ اس کو یہ ضرورت نہیں کہ خدا ان کی کونسل بنائے۔ اور پھر وہ کونسل ان کی مدد کرے۔ تو اگر عقل کی بات کا سوال ہے کہ اسلام کے خدا کا ایسا تصور ہے جس کو عقل تسلیم نہیں کرتی۔ عقل تو اُن کے تصور کو تسلیم نہیں کرتی کہ تین خدا بنائے ہوئے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی جمہوری طور پر حکومت چلے گی اگر ایک بھی ان میں سے راضی نہ ہو تو فیصلہ کرنا مشکل ہو جائے۔

فرماتے ہیں کہ ”اور پھر فرمایا اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْس یعنی وہ خدا بادشاہ ہے جس پر کوئی داغ عیب نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ انسانی بادشاہت عیب سے خالی نہیں۔ اگر مثلاً تمام رعیّت جلاوطن ہو کر دوسرے ملک کی طرف بھاگ جاوے تو پھر بادشاہی قائم نہیں رہ سکتی۔ یا اگر مثلاً تمام رعیت قحط زدہ ہو جائے تو پھر خراج شاہی کہاں سے آئے۔ اور اگر رعیّت کے لوگ اس سے بحث شروع کر دیں کہ تجھ میں ہم سے زیادہ کیا ہے تو وہ کونسی لیاقت اپنی ثابت کرے۔ پس خدا تعالیٰ کی بادشاہی ایسی نہیں ہے۔ وہ ایک دم میں تمام ملک کو فنا کر کے اَور مخلوقات پیدا کر سکتا ہے اگر وہ ایسا خالق اور قادر نہ ہوتا تو بجز ظلم کے اس کی بادشاہت چل نہ سکتی کیونکہ وہ دنیا کو ایک مرتبہ معافی اور نجات دے کر اور دوسری دنیا کہاں سے لاتا۔ کیا نجات یافتہ لوگوں کو دنیا میں بھیجنے کے لئے پھر پکڑتا اور ظلم کی

Earlsfield Properties
We will manage your property at 0% commission
Guaranteed rate schemes for 3 & 5 years
Free management Service
Guaranteed vacant possession
175 Merton Road London SW18 5EF
Tel: 020-8265-6000 or 020 8877 - 0762 Fax: 020 8874 9754

راہ سے اپنی معافی اور نجات دہی کو واپس لیتا۔ تو اس صورت میں اس کی خدائی میں فرق آتا۔ اور دنیا کے بادشاہوں کی طرح داغدار بادشاہ ہوتا جو دنیا کے لئے قانون بناتے ہیں بات بات پر بگڑتے ہیں اور اپنی خود غرضی کے وقتوں پر جب دیکھتے ہیں کہ ظلم کے بغیر چارہ نہیں تو ظلم کو شیر مادر سمجھ لیتے ہیں‘‘۔ ماں کے دودھ کی طرح پیتے ہیں۔ پس یہ اسلام کا خدا ہے جو ہر ظلم سے پاک ہے۔ ’’ مثلاً قانون شاہی جائز رکھتا ہے کہ ایک جہاز کو بچانے کے لئے کشتی کے سواروں کو تباہی میں ڈال دیا جائے اور ہلاک کیا جائے مگر خدا کو یہ اضطرار پیش نہیں آنا چاہئے۔ پس اگر خدا پورا قادر اور عدم سے پیدا کرنے والا نہ ہوتا تو یا تو وہ کمزور راجوں کی طرح قدرت کی جگہ ظلم سے کام لیتا اور یا عادل بن کر خدائی کو ہی الوداع کہتا۔ بلکہ خدا کا جہاز تمام قدرتوں کے ساتھ سچے انصاف پر چل رہا ہے۔ پھر فرمایا اَلسَّلَامُ یعنی وہ خدا جو تمام عیبوں اور مصائب اور سختیوں سے محفوظ ہے بلکہ سلامتی دینے والا ہے، اس کے معنے بھی ظاہر ہیں۔ کیونکہ اگر وہ آپ ہی مصیبتوں میں پڑتا، لوگوں کے ہاتھ سے مارا جاتا اور اپنے ارادوں میں ناکام رہتا تو اس کے بدنمونے کو دیکھ کر کس طرح دل تسلی پکڑتے کہ ایسا خدا ہمیں ضرور مصیبتوں سے چھڑا دے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ باطل معبودوں کے بارے میں فرماتا ہے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَہٗ۔ وَاِنْ یَّسْلُبْھُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْہُ مِنْہُ۔ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ۔ مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ۔ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ﴾ (الحج:74-75) جن لوگوں کو تم خدا بنائے بیٹھے ہو وہ تو ایسے ہیں کہ اگر سب مل کر ایک مکھّی پیدا کرنا چاہیں تو کبھی پیدا نہ کرسکیں اگرچہ ایک دوسرے کی مدد بھی کریں۔ بلکہ اگر مکھی ان کی چیز چھین کر لے جائے تو انہیں طاقت نہیں ہوگی کہ وہ مکھی سے چیز واپس لے سکیں۔ ان کے پرستار عقل کے کمزور اور وہ طاقت کے کمزور ہیں۔ کیا خدا ایسے ہوا کرتے ہیں؟ خدا تو وہ ہے کہ سب قوتوں والوں سے زیادہ قوت والا اور سب پر غالب آنے والا ہے۔ نہ اس کو کوئی پکڑ سکے اور نہ مار سکے۔ ایسی غلطیوں میں جو لوگ پڑتے ہیں وہ خدا کی قدر نہیں پہچانتے اور نہیں جانتے خدا کیسا ہونا چاہئے۔

اور پھر فرمایا کہ خدا امن کا بخشنے والا اور اپنے کمالات اور توحید پر دلائل قائم کرنے والا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سچے خدا کا ماننے والا کسی مجلس میں شرمندہ نہیں ہوسکتا۔ اور نہ خدا کے سامنے شرمندہ ہو گا۔ کیونکہ اس کے پاس زبردست دلائل ہوتے ہیں۔ لیکن بناوٹی خدا کا ماننے والا بڑی مصیبت میں ہوتا ہے۔ وہ بجائے دلائل بیان کرنے کے ہر ایک بیہودہ بات کو راز میں داخل کرتا ہے تا ہنسی نہ ہو اور ثابت شدہ غلطیوں کو چھپانا چاہتا ہے۔

اور پھر فرمایا کہ اَلْمُھَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ یعنی وہ سب کا محافظ ہے اور سب پر غالب اور بگڑے ہوئے کام بنانے والا ہے اور اس کی ذات نہایت ہی مستغنی ہے اور فرمایا ھُوَ اللّٰہُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی یعنی وہ ایسا خدا ہے کہ جسموں کا پیدا کرنے والا اور روحوں کا بھی پیدا کرنے والا، رحم میں تصویر کھینچنے والا ہے۔ تمام نیک نام جہاں تک خیال میں آسکیں سب اُسی کے نام ہیں اور پھر فرمایا یُسَبِّحُ لَہٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض وَ ھُوَالْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ یعنی آسمان کے لوگ بھی اس کے نام کو پاکی سے یاد کرتے ہیں اور زمین کے لوگ بھی۔ اس آیت میں اشارہ فرمایا کہ آسمانی اجرام میں آبادی ہے اور وہ لوگ بھی پابند خدا کی ہدایتوں کے ہیں۔ اور پھر فرمایا عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ یعنی خدا بڑا قادر ہے۔ یہ پرستاروں کے لئے تسلی ہے کیونکہ اگر خدا عاجز ہو اور قادر نہ ہو تو ایسے خدا سے کیا امید رکھیں۔ اور پھر فرمایا رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ یعنی وہی خدا ہے جو تمام عالموں کا پرورش کرنے والا، رحمٰن، رحیم اور جزاء کے دن کا آپ مالک ہے۔ اس اختیار کو کسی کے ہاتھ میں نہیں دیا۔ ہر ایک پکارنے والے کی پکار کو سننے والا اور جواب دینے والا یعنی دعاؤں کا قبول کرنے والا۔ اور پھر فرمایا اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ یعنی ہمیشہ رہنے والا اور تمام جانوں کی جان اور سب کے وجود کا سہارا۔ یہ اس لئے کہا کہ وہ ازلی ابدی نہ ہو، تو اس کی زندگی کے بارے میں بھی دھڑکا رہے گا شاید ہم سے پہلے فوت نہ ہو جائے۔ اور پھر فرمایا کہ وہ خدا اکیلا خدا ہے۔ نہ وہ کسی کا بیٹا اور نہ کوئی اس کا بیٹا اور نہ کوئی اس کے برابر اور نہ کوئی اس کا ہم جنس‘‘۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی جلد نمبر10صفحہ 372-376)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ ’’ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ مذہب جو عیسائی مذہب کے نام سے شہرت دیا جاتا ہے دراصل پولوسی مذہب ہے، نہ مسیحی۔ کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے کسی جگہ تثلیث کی تعلیم نہیں دی۔ اور وہ جب تک زندہ رہے خدائے واحد لاشریک کی تعلیم دیتے رہے اور بعد ان کی وفات کے ان کا بھائی یعقوب بھی جو اُن کا جانشین تھا اور ایک بزرگ انسان تھا، توحید کی تعلیم دیتا رہا۔ اور پولوس نے خوانخواہ اس بزرگ سے مخالفت شروع کردی اور اس کے عقائد صحیحہ کے مخالف تعلیم دینا شروع کیا۔ اور انجام کار پولوس اپنے خیالات میں یہاں تک بڑھا کہ ایک نیا مذہب قائم کیا اور توریت کی پیروی سے اپنی جماعت کو بکلی علیحدہ کردیا اور تعلیم دی کہ مسیحی مذہب میں مسیح کے کفّارہ کے بعد شریعت کی ضرورت نہیں اور خون مسیح گناہوں کے دور کرنے کے لئے کافی ہے، توریت کی پیروی ضروری نہیں۔ اور پھر ایک اور گند اس مذہب میں ڈال دیا کہ ان کے لئے سؤر کھانا حلال کردیا۔ حالانکہ حضرت مسیح انجیل میں سؤر کو ناپاک قرار دیتے ہیں۔ تبھی تو انجیل میں ان کا قول ہے کہ اپنے موتی سؤروں کے آگے مت پھینکو۔ پس جب پاک تعلیم کا نام حضرت مسیحؑ نے موتی رکھا ہے تو اس مقابلہ سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ پلید کا نام انہوں نے سؤر رکھا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یونانی سؤر کو کھایا کرتے تھے جیسا کہ آجکل تمام یورپ کے لوگ سؤر کھاتے ہیں۔ اس لئے پولوس نے یونانیوں کے تالیف قلوب کے لئے سؤر بھی اپنی جماعت کے لئے حلال کردیا۔ حالانکہ توریت میں لکھا ہے کہ وہ ابدی حرام ہے اور اس کا چھونا بھی ناجائز ہے۔ غرض اس مذہب میں تمام خرابیاں پولوس سے پیدا ہوئیں‘‘۔

(چشمۂ مسیحی۔ روحانی خزائن جلد 20صفحہ 374-375)

پوپ صاحب نے جو یہ کہا کہ یونانی فکر اور خدا پر ایسے ایمان کی جو کہ بائبل پر مبنی ہے گہری مطابقت ہے اصل میں یہ حضرت عیسیٰؑ کا مذہب نہیں ہے بلکہ یہ یونانیوں کو خوش کرنے کے لئے کوشش تھی۔

جو انصاف پسند عیسائی ہیں ان کو پتہ ہے، وہ کہتے ہیں اسلام کا خدا کیا ہے۔

ایڈورڈ گبن صاحب لکھتے ہیں کہ ’’ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذہب شکوک وشبہات سے پاک و صاف ہے۔ قرآن خدا کی وحدانیت پر ایک عمدہ شہادت ہے۔ مکّہ کے پیغمبر نے بتوں کی، انسانوں کی اور ستاروں کی پرستش کو معقول دلائل سے ردّ کردیا۔ وہ اصول اوّل یعنی ذات باری تعالیٰ جس کی بنا عقل و وحی پر ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شہادت سے استحکام کو پہنچی۔ چنانچہ اس کے معتقد ہندوستان سے لے کر مراکو تک موحد کے لقب سے ممتاز ہیں‘‘۔

(Edward Gibbon 'The History of the Decline and Fall of the Roman Empire'
Vol.V.Pages 177-178.Penguins Classics(1st published 1788,this edition 1996)

پس یہ اسلام کا خدا ہے جو عقل سے غور کرنے والے کو یہ کہنے پر مجبور کردیتا ہے کہ معقول عقلی دلائل اسلام کے خدا میں ملتے ہیں۔

آخر میں مَیں ہر احمدی سے یہ کہتا ہوں کہ اسلام کے خلاف جو محاذ کھڑے ہو رہے ہیں اُن سے ہم کامیابی سے صرف خدا کے حضور جھکتے ہوئے اور اس سے مدد طلب کرتے ہوئے گزر سکتے ہیں۔ پس خدا کو پہلے سے بڑھ کر پکاریں کہ وہ اپنی قدرت کے جلوے دکھائے۔ جھوٹے خداؤں سے اس دنیا کو نجات ملے۔ آج اگر یہ لوگ اپنی امارت اور طاقت کے گھمنڈ میں اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملے کر رہے ہیں تو ہماری دعاؤں کے تیروں سے انشاء اللہ تعالیٰ ان کے گھمنڈ ٹوٹیں گے۔ پس اُس خدا کو پکاریں جو کائنات کا خدا ہے۔ جو رب العالمین ہے جو حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا ہے تاکہ جلد تر اس واحد ولاشریک خدا کی حکومت دنیا میں قائم ہو جائے۔ مسلمان ملکوں کو بھی سوچنا چاہئے کہ اپنے فروعی اختلافات کو ختم کریں، آپس کی لڑائیوں اور دشمنیوں کو ختم کریں۔ ایک ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو بلند کرنے کی کوشش کریں۔ اور ایسے عمل سے باز آجائیں جن سے غیروں کو ان پر انگلی اٹھانے کی جرأت ہو۔ اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے۔

آج بھی مَیں کچھ لوگوں کے جنازہ غائب پڑھاؤں گا۔ ایک تو مکرم پیر معین الدین صاحب کا جنازہ ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے داماد تھے، اس لحاظ سے میرے خالو بھی تھے۔ انہوں نے جامعہ میں پڑھایا، فضل عمر ریسرچ میں کام کیا۔ علمی آدمی تھے، علمی ذوق رکھتے تھے، واقف زندگی تھے۔

دوسرا جنازہ مکرمہ آمنہ خاتون صاحبہ کا ہے جو رہ گیا تھا۔ یہ حضرت مولانا نذیر احمد صاحب مبشر کی اہلیہ تھیں۔ انہوں نے بھی غانا میں حضرت مولوی نذیر احمد صاحب مبشر کے ساتھ بڑی قربانی سے بڑا لمبا عرصہ گزارا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے۔

ایک جنازہ میجر سعید احمد صاحب کا ہے۔ یہ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کے داماد تھے۔ ان کے دو بیٹے واقف زندگی ہیں۔ ایک مربی ہیں اور ایک نائب وکیل التعلیم ہیں۔ سید حسین احمد اور سید جلید احمد۔

اور ایک ہمارے ماریشس کے مربی ہیں، مظفر احمد سدھن صاحب، ان کی والدہ وفات پاگئی ہیں، ان کا جنازہ غائب بھی ہم ابھی پڑھیں گے۔

اور ایک محمد نگر کے ہمارے مربی عبدالناصر منصور صاحب کی والدہ سرور بیگم صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر ریاض احمد صاحب بھی وفات پاگئی ہیں۔۔ انہوں نے ساتھ خط لگایا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے وعدہ کیا تھا کہ مَیں ان کا جنازہ پڑھاؤں گا۔ سب کے لئے دعا کریں اللہ تعالیٰ سب مرحومین کے درجات بلند فرمائے۔ مغفرت کا سلوک فرمائے۔

◆

ماہ رمضان سے متعلق چند اہم امور

(ظہیر احمد خان۔ مربی سلسلہ ۔ دفتر Ps۔ لندن)

روزہ ایک ایسی عبادت ہے کہ جس میں بعض اوقات انسان اصل حکم کو نہ سمجھتے ہوئے خدا تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی رخصت سے فائدہ اٹھانے کی بجائے اس کے برعکس عمل کر کے عبادت کی اصل غرض اطاعت و فرمانبرداری کو نظرانداز کر جاتا ہے۔ لہٰذا سب سے اوّل اس امر کو ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ دیگر عبادات کی طرح روزہ کی اصل غرض بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری ہی ہے۔ اسی عبادت کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اس بات کو بیان فرمایا کہ وہ انسان کیلئے آسانی پیدا کرنا چاہتا ہے تنگی پیدا کرنا نہیں چاہتا۔

روزے سے تنگی دینا منظور نہیں

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں روزوں کی فرضیت بیان فرمائی وہاں ساتھ ہی اپنی مخلوق سے محبت و شفقت اور ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے یہ اصول بھی بیان فرما دیا:۔

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرہ:186)

یعنی اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے تنگی نہیں چاہتا۔

قرآن کریم کی اس ہدایت کو اگر ہم اپنے پیش نظر رکھیں تو عبادات کی تکمیل میں ہم ان تمام طوقوں سے آزاد ہو جاتے ہیں جو اسلام کی نشأۃ ثانیہ کیلئے آنے والے مسیح الزماں اور مہدی دوراں کے منکر مُلّاؤں نے صرف اپنے نفس کے فائدہ کیلئے اپنے پیروکاروں کے گلے میں ڈال رکھے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے آقا و مطاع حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے عبادات میں بھی مبالغہ اور حد سے تجاوز کرنے کو پسند نہ فرمایا اور مختلف مواقع پر صحابہ اور صحابیات کو میانہ روی اختیار کرنے کا ارشاد فرمایا۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں:۔

جاء ثلاثة رهط الى بيوت ازواج النبى ﷺ يسألون عن عبادة النبى ﷺ فلما اخبروا كانهم تقالوها فقالو اين نحن من النبى ﷺ قد غفرله ما تقدمه من ذنبه و ما تاخر۔ قال احدهم اما انا فانى اصلى الليل ابدا ۔و قال اخر انا اصوم الدهر ابدا و لا افطر۔ و قال اخر انا اعتزل النساء فلا اتزوج ابدا ۔فجاء رسول الله ﷺ اليهم فقال انتم الذين قلتم كذا و كذا۔ اما والله انى لاخشاكم لله و اتقاكم له لكنى اصوم و افطر و اصلى و ارقد و اتزوج النساء۔ فمن رغب عن سنتى فليس منى۔

(بخاری کتاب النکاح باب الترغیب فی النکاح)

ترجمہ:۔ تین آدمی حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کے گھروں میں حضور ﷺ کی عبادت کے متعلق پوچھنے کیلئے آئے۔ جب انہیں حضور ﷺ کی عبادت کے بارہ میں بتایا گیا تو انہوں نے اپنی عبادتوں کو کم سمجھا اور کہا کہ آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں ہماری کیا حیثیت ہے، جبکہ آپ کے تو اگلے پچھلے تمام قصور معاف کر دیئے گئے ہیں (یعنی آپ کو تو گناہوں سے محفوظ کر دیا گیا ہے)۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا، دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا اور کسی دن روزہ نہیں چھوڑوں گا، تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔ حضور ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ کیا تم لوگوں نے ایسا ایسا کہا ہے۔ دیکھو! خدا کی قسم میں تمہاری نسبت اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہوں اور تم سے زیادہ متقی ہوں لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور روزہ چھوڑتا بھی ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ پس جو شخص میری سنت سے منہ موڑے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں:۔

ان النبى ﷺ دخل عليها و عندها امرأة۔ قال من هذه؟ قالت فلانة تذكر من صلوتها قال مه عليكم بما تطيقون فوالله لا يمل الله حتى تملوا و كان احب الدين اليه ما دام عليه صاحبه۔ (بخارى كتاب الايمان باب احب الدين الى الله عز و جل ادومه)

ترجمہ:۔ نبی کریم ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے تو ایک خاتون ان کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے۔ انہوں نے بتایا کہ فلاں عورت ہے جو اپنی نمازوں کی کثرت کی وجہ سے جانی جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا چھوڑو، تم پر اسی قدر عبادت واجب ہے جتنی کہ تم میں طاقت ہے۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نہیں اکتائے گا لیکن تم تھک جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کو وہی عمل پسند ہے جس پر صاحب عمل مداومت اختیار کرے۔

پس ثابت ہوا کہ عبادات کی اصل غرض اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرنا ہے نہ کہ اپنے زور بازو سے خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

ان اللّٰه يحب ان توتى رخصه كما يحب ان توتى عزائمه۔

(صحيح ابن حبان فصل فى صلوة السفر باب ذكر استحباب قبول رخصة الله)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کو جس طرح یہ بات پسند ہے کہ (اگر کوئی عذر اور مجبوری نہ ہو تو) عزیمت اور اصل حکم پر عمل کیا جائے، اسی طرح اسے یہ بات بھی بہت پسند ہے کہ اس کی طرف سے دی گئی رخصت پر عمل کیا جائے۔

صوم کے لغوی معنے

صوم یعنی روزہ کے لغوی معنی رُکنے اور کوئی کام نہ کرنے کے ہیں۔ شرعاً طلوع فجر سے غروب آفتاب تک عبادت کی نیت سے کھانے پینے اور جائز جنسی تعلقات سے رُکے رہنے کا نام صوم یعنی روزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں روزہ کی ابتداء اور اختتام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِمِنَ الْفَجْرِثُمَّ اَتِمُّوْا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ﴾ (البقرة:188)

یعنی اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ فجر (کے ظہور) کی وجہ سے (صبح کی) سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے تمہارے لئے ممتاز ہو جائے۔ پھر روزے کو رات تک پورا کرو۔

روزہ کی اصل غرض اطاعت کا سبق اور اس کی تربیت دینا ہے

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا روزہ کی اصل غرض اطاعت کا سبق دینا ہے، کھانے پینے اور جائز جنسی تعلقات سے روک کر یہ سمجھانا مراد ہے کہ ایک مومن جب خدا کے حکم کے تابع اپنی جائز ضروریات کو چھوڑ دیتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ان گناہوں کے ارتکاب سے باز نہ آئے جن کے کرنے سے خدا تعالیٰ نے اسے منع فرمایا ہے۔ پس اگر کوئی شخص ان برائیوں کو نہیں چھوڑتا جن سے خدا تعالیٰ نے اسے منع فرمایا ہے تو پھر اس کے بھوکے پیاسے رہنے کا بھی اسے کوئی فائدہ نہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں:۔

قال رسول الله ﷺ من لم يدع قول الزور و العمل به فليس لله حاجة فى ان يدع طعامه و شرابه۔(بخارى كتاب الصوم باب من لم يدع قول الزور و العمل به)

ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جھوٹ بولنے اور جھوٹ پر عمل کرنے سے اجتناب نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

پس روزہ میں کھانے پینے سے اجتناب کر کے بھوکا پیاسا رہنا اس عبادت کا اصل مقصد نہیں بلکہ اصل مقصد خدا تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی پابندی کرنے کیلئے تربیت حاصل کرنا ہے، گویا جسمانی غذا کم کر کے روحانی غذا کو بڑھانا مقصود ہے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس حکم کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

”روزہ کی حقیقت سے بھی لوگ ناواقف ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جس ملک میں انسان جاتا نہیں اور جس عالم سے واقف نہیں اس کے حالات کیا بیان کرے۔ روزہ اتنا ہی نہیں کہ اس میں انسان بھوکا پیاسا رہتا ہے بلکہ اس کی ایک حقیقت اور اس کا اثر ہے جو تجربہ سے معلوم ہوتا ہے۔ انسانی فطرت میں ہے کہ جس قدر کم کھاتا ہے اسی قدر تزکیۂ نفس ہوتا ہے اور کشفی قوتیں بڑھتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کا منشاء اس سے یہ ہے کہ ایک غذا کو کم کرو اور دوسری کو بڑھاؤ۔ ہمیشہ روزہ دار کو یہ مدنظر رکھنا چاہئے کہ اس سے اتنا ہی مطلب نہیں ہے کہ بھوکا رہے بلکہ اسے چاہئے کہ خدا تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہے تاکہ تبتل اور انقطاع حاصل ہو۔ پس روزے سے یہی مطلب ہے کہ انسان ایک روٹی کو چھوڑ کر جو صرف جسم کی پرورش کرتی ہے دوسری روٹی کو حاصل کرے جو روح کی تسلی اور سیری کا باعث ہے اور جو لوگ محض خدا کیلئے روزے رکھتے ہیں اور نرے رسم کے طور پر نہیں رکھتے انہیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح اور تہلیل میں لگے رہیں جس سے دوسری غذا انہیں مل جاوے“۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 102، جدید ایڈیشن)

رمضان کا آغاز اور اختتام رؤیت ہلال سے وابستہ ہے

اسلامی مہینوں کا حساب چونکہ چاند کی گردش اور اس کی رویت پر موقوف ہے لہٰذا ماہ رمضان کا آغاز و اختتام بھی چاند کے نظر آنے سے ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں:۔

ان رسول الله ﷺ ذكر رمضان فقال لا تصوموا حتى تروا الهلال و لا تفطروا حتى تروه فان غم عليكم فاقدروا له۔(بخارى كتاب الصوم باب اذا رايتم الهلال فصوموا)

ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا جب تک چاند نہ دیکھ لو روزوں کی ابتداء اور اختتام نہ کیا کرو۔ اور اگر چاند کے سامنے بادل ہوں اور چاند نظر نہ آسکے تو پھر دنوں کی گنتی پوری کر کے اندازہ لگا لیا کرو۔

پس اس ارشاد نبوی ﷺ سے ثابت ہوا کہ چاند کا دیکھنا ظاہری بھی ہوسکتا ہے اور علمی بھی۔ شعبان کے مہینے کے تیس دن گزرنے پر بھی رمضان کے چاند کی رؤیت علمی کا اطلاق ہوگا اور چاند کی گردش کا حسابی کیلنڈر بنا کر رمضان کے آغاز و اختتام کا اندازہ لگانا بھی رؤیت علمی کہلائے گا۔

دور حاضر میں آبزرویٹری (Observatory) کا شعبہ مذکورہ حدیث کے الفاظ فاقدروا له ہی کی عملی شکل ہے۔ پس اس شعبہ کے بیان کردہ اندازوں کے مطابق رمضان کی ابتداء اور اختتام شریعت کے احکامات کے مطابق ہے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ اس بارہ میں فرماتے ہیں:۔

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾۔ شَهِدَ شَهْرًا سے مراد ہے جو رمضان کو طلوع ہوتا دیکھے۔ یعنی رمضان کا چاند جس پر طلوع ہوگا وہ روزے رکھے............ اب اس مضمون میں ایک پہلو رہ جاتا ہے جس کی عموماً آپ بحثیں سنتے ہیں اور پڑھتے بھی ہیں وہ یہ ہے کہ کیا مشینی ذرائع سے چاند کا علم پانا مَنْ شَهِدَ مِنْكُمْ کے تابع ہوگا یا نہیں ہوگا؟ اگر ہو تو پھر دیکھنا متروک ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مشینوں کے ذریعہ چاند دکھائی دے جاتا ہو لیکن نظر سے نہ دکھائی دیتا ہو۔ تو کیا قرآن کریم کا پہلا عمل یعنی پہلے دور کا عمل اس مشینی عمل کے مقابل پر رد ہو جائے گا یا پہلے دور کا عمل جاری رہے گا اور مشینی دور کا عمل متروک سمجھا جائے گا؟

MOT
Cars: £38 Vans: £40
Servicing, Tyres & Exhausts.
Mechanical Repairs
All Makes & Models
Rutlish Auto Care Centre
Rutlish Road
Wimbledon - London
Tel: 020 8542 3269

یہ بحث ہے جو بہت سے لوگوں کو الجھن میں مبتلا رکھتی ہے حالانکہ اس میں ایک ادنیٰ، ذرہ برابر بھی کوئی الجھن نہیں۔ الجھن لوگوں کی نافہمی اور ناسمجھی میں ہے ورنہ امر واقعہ یہ ہے کہ نئے دور میں مشینوں کے حوالے سے یا برقیاتی آلوں کے حوالے سے اگر آپ چاند کے طلوع کا علم حاصل کریں تو وہ مَنْ شَہِدَ مِنْکُم کے تابع رہتا ہے اور جہاں مَنْ شَہِدَ مِنْکُم سے ہٹتا ہے وہاں اس کا عمل درآمد نہیں ہوگا، وہاں بے اعتبار ہو جائے گا۔ جو لوگ نہیں سمجھتے وہ ٹھوکر کھاتے ہیں اور پھر آپس میں خوب ان کی لڑائیاں ہوتی ہیں۔

اس لئے میں آپ کو سمجھا رہا ہوں آگے عید بھی آئے گی یہ بحثیں چلیں گی۔ بچوں سے سکول میں بھی گفتگو ہوگی دوسرے بچوں کی۔ کالجوں میں یہ معاملہ زیر بحث آجائے گا۔ بزنس پر، کاموں پر زیر بحث آئے گا۔ اس لئے سب احمدیوں کو اچھی طرح ہر ملک کے احمدی جو یہ خطبہ سن رہے ہیں ان کو اچھی طرح اس بات کو ذہن نشین کر لینا چاہئے۔

چاند جو طلوع ہوتا ہے وہ جب زمین کے کنارے سے اوپر آتا ہے تو اگرچہ سائنسی لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ زمین کے افق سے چاند ذرا سا اوپر آچکا ہے لیکن وہ چاند لازم نہیں کہ نظر سے دیکھا جا سکتا ہو۔ اس لئے سائنس دانوں نے بھی ان چیزوں کو تقسیم کر رکھا ہے۔ اگر آپ اچھی طرح ان سے جستجو کر کے بات پوچھیں تو وہ آپ کو بالکل صحیح جواب دیں گے کہ دیکھو ہم یہ تو یقینی طور پر معلوم کر سکتے ہیں کہ یہ چاند کس دن کتنے بجے طلوع ہوگا یعنی سورج غروب ہوتے ہی اوپر ہو چکا ہوگا لیکن اس کا مطلب یہ نہ سمجھو کہ اگر موسم بالکل صاف ہو اور کوئی بھی رستے میں دھند نہ ہو تب بھی تم اس کو اپنی آنکھ سے دیکھ سکتے ہو۔ کیونکہ چاند کو طلوع ہونے کے بیس منٹ یا کچھ اوپر مزید چاہئے اور ایک خاص زاویہ سے اوپر ہونا چاہئے۔ اگر وہاں تک پہنچے تو پھر آنکھ دیکھ سکتی ہے ورنہ نہیں دیکھ سکتی۔ اس لئے ہو سکتا ہے جیسا کہ پچھلے سال مولویوں نے یہاں کیا کہ آبزرویٹری (Observatory) سے یہ تو پوچھ لیا کہ چاند کب نکلے گا اور انہوں نے وہی سائنسی جواب دے دیا کہ فلاں دن یہ اتنے بجے طلوع ہو جائے گا اور سورج ڈوبنے کے معاً بعد کا وقت تھا۔ تو مولویوں نے فتویٰ دے دیا کہ اس دن رمضان شروع ہو جائے گا یا عید جو بھی تھی۔ اور بعض دوسرے جو اُن میں سے سمجھدار تھے، تعلیم یافتہ مسلمان یہاں موجود ہیں، احمدی نہیں ہیں مگر وہ ان باتوں پر غور کرتے ہیں انہوں نے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو ایسی عید نہیں کریں گے یا ایسا رمضان نہیں شروع کریں گے اور وہ سچے تھے۔ کیونکہ اگر وہ مولوی صاحبان ان لیبارٹریز سے یا جو ان کے مراکز ہیں آسمانی سیاروں وغیرہ کو دیکھنے کے، ان سے پوچھتے تو وہ صاف بتا دیتے کہ نکلے گا تو سہی لیکن تم اس کی شہادت نہیں دے سکتے۔ تم اپنی آنکھ سے اس کو کبھی بھی نہیں دیکھ سکتے۔ کیونکہ جتنا نکل کے وہ اونچا جاتا ہے اس طلوع سے کوئی آنکھ بھی اس کو اس لئے نہیں دیکھ سکتی کہ وہ زمین کے بہت قریب ہوتا ہے اور زمین کے قریب کی فضا اس کی شعاعوں کو نظروں تک پہنچنے سے پہلے پہلے جذب کر چکی ہوتی ہے۔ اس لئے عین نشانے پر پتہ ہو کہ وہاں چاند طلوع ہو رہا ہے آپ نظر جما کے دیکھیں آپ کو ایک ذرہ بھی کچھ دکھائی نہیں دے گا۔ تو شَہِدَ کا مضمون اس پر صادق نہیں آئے گا۔

شَہِدَ کا مطلب ہے جو گواہ بن جائے، جو دیکھ لے، جو پالے۔ مگر سائنس دان ہی یہ بھی آپ کو بتاتے ہیں اور قطعیت سے بتاتے ہیں کہ اگر اتنے منٹ سے اوپر چاند ہو چکا ہو یعنی سورج ڈوبنے کے بعد مثلاً پندرہ منٹ کی بجائے بیس منٹ تک رہے تو پہلے پندرہ منٹ میں اگر دکھائی نہیں دے سکتا تو آخری پانچ منٹ میں دکھائی دے سکتا ہے۔ یا اس کا زاویہ اتنا ہو کہ وہ زمین کے ایسے افق سے اونچا ہو چکا ہو جو افق چاند اور ہماری راہ میں حائل رہتا ہے۔ اس سے جب اونچا ہوگا تو لازماً دیکھ سکتے ہو۔ پھر بادل ہوں تو الگ مسئلہ ہے لیکن اگر بادل نہ ہوں تو لازماً ننگی آنکھ سے دیکھ سکتے ہو تو پھر شَہِدَ مِنْکُم کا حکم صادق آگیا۔ کیونکہ شَہِدَ میں ساری قوم کا دیکھنا تو فرض تھا ہی نہیں۔ کچھ بھی دیکھ سکتے ہوں لیکن اس طرح دیکھ سکتے ہوں جیسے انسان کی توفیق ہے کہ ننگی آنکھ سے دیکھ سکے وہ فتویٰ لازماً ساری قوم پر برابر صادق آئے گا اور وہ لوگ جن کا افق ایک ہے وہ سائنسی ذرائع سے معلوم کر کے پہلے سے فیصلہ کر سکتے ہیں۔"

(الفضل انٹر نیشنل 8تا14/ مارچ 1996ء، خطبہ جمعہ فرمودہ مؤرخہ 19/جنوری 1996ء)

رمضان کے حوالہ سے چاند کے تعلق میں ایک سوال یہ بھی ذہنوں میں اٹھتا ہے کہ ساری دنیا کے مسلمان ایک ہی دن رمضان کا آغاز اور اختتام کیوں نہیں کرتے اور کیوں مختلف ممالک میں مختلف دنوں میں اس کی ابتداء اور اختتام ہوتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ اسلامی مہینوں کا آغاز اور اختتام چاند کی رویت سے وابستہ ہے۔ پس جن علاقوں میں چاند کے طلوع کیلئے مطلع مختلف ہوگا ان میں رمضان کی ابتداء اور اختتام مختلف دنوں میں ہوگی۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام کریب بن ابی مسلم بیان کرتے ہیں:۔

ان ام الفضل بنت الحارث بعثته الی معاویة بالشام قال فقدمت الشام فقضیت حاجتها و استهل علی رمضان و انا بالشام فرایت الهلال لیلة الجمعة ثم قدمت المدینة فی آخر الشهر فسالنی عبد الله بن عباس رضی الله عنهما ثم ذکر الهلال فقال متی رایتم الهلال فقلت رایناه لیلة الجمعة فقال انت رایته فقلت نعم و راه الناس و صاموا و صام معاویة فقال لکنا رایناه لیلة السبت فلا نزال نصوم حتی نکمل ثلاثین او نراه فقلت او لا تکتفی برویة معاویة و صیامه فقال لا هکذا امرنا رسول الله ﷺ۔

(مسلم کتاب الصیام باب لکل بلد رویتهم اذا راوا الهلال ببلد لا یثبت حکمه لما بعد عنهم)

ترجمہ:۔ حارث کی بیٹی ام فضل نے انہیں حضرت معاویہؓ کے پاس شام بھجوایا۔ میں شام آیا اور ام فضل کا دیا ہوا کام مکمل کیا۔ ابھی میں شام میں ہی تھا کہ رمضان کا چاند طلوع ہو گیا، جو جمعہ کی رات میں نے دیکھا۔ پھر رمضان کے آخر پر میں مدینہ واپس آ گیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے مجھ سے سفر کی بابت دریافت کیا نیز انہوں نے چاند کا ذکر کیا اور دریافت فرمایا کہ تم لوگوں نے چاند کب دیکھا تھا؟ میں نے کہا کہ ہم نے جمعہ کی رات چاند دیکھا تھا، انہوں نے فرمایا کیا تم نے خود چاند دیکھا تھا؟ میں نے کہا ہاں میں نے بھی دیکھا تھا اور باقی لوگوں نے بھی دیکھا تھا اور پھر لوگوں نے روزے رکھنے شروع کر دیئے اور معاویہ نے بھی روزوں کا آغاز کر دیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہم نے تو ہفتہ کی رات کو چاند دیکھا تھا پس ہم تو تیس روزے مکمل کرنے تک روزے رکھیں گے سوائے اس کے کہ عید کا چاند طلوع ہو جائے۔ اس پر مَیں نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ کیا حضرت معاویہؓ کا چاند دیکھنا اور روزوں کا آغاز کرنا کافی نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایسا کرنے کا ہی حکم دیا ہے۔

اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"اب رمضان کا مہینہ اصل میں بیک وقت ہر جگہ اکٹھا طلوع نہیں ہوتا اور یہ بحثیں عام اٹھ رہی ہیں کہ کیوں نہ کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ سب مسلمان بیک وقت روزے رکھیں۔ اور یہ جو جھگڑے چل رہے ہیں آج اِن کا رمضان شروع ہو گیا، کل اُن کا رمضان شروع ہو گیا ان جھگڑوں کا قضیہ ہی چکا دیا جائے۔ مگر قرآن تو نہیں چکاتا۔ قرآن کریم نے تو اس مضمون کو کھلا چھوڑا ہوا ہے۔ مَنْ شَہِدَ مِنْکُمُ الشَّہْرَ فَلْیَصُمْہُ۔ ہو سکتا ہے کہ ایک ہی ملک میں رہتے ہوئے اور اس ملک کے افق الگ الگ ہوں اور اگر ایک شخص نے فَمَنْ شَہِدَ مِنْکُمُ الشَّہْرَ اس کے وقت کو پایا ہو تو اس پر فرض ہے کہ روزے رکھے۔ ایک وہ جس نے نہیں پایا اس پر فرض نہیں ہے بلکہ مناسب نہیں ہے کہ رکھے۔ اسے انتظار کرنا ہوگا جب تک اس آیت کا اطلاق اس پر نہ ہو۔

تو رمضان کا مہینہ ایک ہی تاریخ کو ہر جگہ شروع نہ ہوتا ہے، نہ ہو سکتا ہے۔ ممالک بدل جائیں تو پھر تو ویسے ہی ناممکن ہے کیونکہ اگر جب بھی رمضان کا چاند طلوع ہوگا اس وقت کسی جگہ گھپ اندھیرا، آدھی رات ہوگی، کسی جگہ صبح کا سورج طلوع ہو رہا ہوگا، کسی جگہ دوپہر ہوگی، کسی جگہ عصر کی نماز پڑھی جا رہی ہوگی تو کیسے ممکن ہے کہ خدا نے جو نظام پیدا فرمایا ہے اس کے برعکس احکام جاری فرمائے۔ اس لئے مَنْ شَہِدَ کا مضمون جو ہے بہت ہی اہمیت رکھتا ہے۔ ہرگز خدا کا یہ منشاء نہیں کہ سب اکٹھے روزے رکھیں، اکٹھے ختم کریں۔ ہرگز یہ منشاء نہیں کہ تمام دنیا میں ایک دن عید منائی جائے یا سارے ملک میں اگر وسیع ملک ہے ایک ہی دن عید منائی جائے۔ چھوٹے ملک میں تو ممکن ہے مگر وسیع ممالک بعض ایسے ہیں جو شمال سے بہت دور تک جنوب کے ایک حصے میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اُن کے اُفق بدل جاتے ہیں یا شرقاً غرباً بہت وسیع ہیں۔ اب چلّی (Chilli) کو دیکھیں کہ کتنا اوپر سے امریکہ کے وسط سے قریباً شروع ہو کر اور جنوب میں وہاں تک چلا جاتا ہے کہ اس سے آگے کوئی اور ملک نہیں ہے جو قطب جنوبی کے قریب تر ہو اس سے۔ اور روس کی چوڑائی اتنی ہے کہ روس کے اندر تین گھنٹے کا فرق پڑ جاتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ امریکہ کی چوڑائی میں وسعت اتنی بڑی ہے کہ وہاں بھی کم وبیش اتنا ہی فرق پڑ جاتا ہے تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ایک ملک میں بھی بیک وقت رمضان شروع ہو سکتا ہے یا بیک وقت ایک ملک میں ایک عید کا دن طلوع ہو سکتا ہے۔ پس قرآن کریم کے جو الفاظ کا انتخاب ہے بہت ہی پر حکمت ہے اور اپنے مضمون کو خود کھول رہا ہے..........۔

مَنْ شَہِدَ مِنْکُمُ الشَّہْرَ فَلْیَصُمْہ جس پر یہ مہینہ طلوع ہوگا اسی کو روزے رکھنے ہیں۔ دیکھا دیکھی سنی سنائی بات پر روزے نہیں رکھنے اور یہاں مَنْ میں صرف ایک فرد واحد مراد نہیں ہے بلکہ وہ قوم ہے جس کا افق ایک ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کا طریق یہ جاری فرمایا کہ اگر ایک ہی افق کے لوگ کسی موسم کی خرابی کی وجہ سے اکثر نہ دیکھ سکتے ہوں تو ان میں دو قابل اعتماد یا چار قابل اعتماد، کچھ قابل اعتماد لوگ اٹھ کھڑے ہوں اور وہ کہیں، گواہی دیں کہ ہم نے دیکھا ہے تو اگر افق مشترک ہے تو سب کا ہی رمضان شروع ہو جائے گا اور اگر افق مشترک ہے تو سب ہی کی عید ہو جائے گی، تو مَنْ کا لفظ واحد پر بھی آتا ہے اور جمع پر بھی۔ یہ مراد نہیں ہے کہ ہر ایک جب تک آنکھ سے دیکھ نہ لے رمضان شروع نہ کرے۔ یہ تو ناممکن ہے۔ جو ہلال ہے، خصوصاً پہلے دن کا ہلال وہ تو آنی جانی چیز ہے دیکھتے دیکھتے ہی غائب ہو جاتا ہے۔ انگلیاں اٹھ رہی ہوتی ہیں اتنے میں وہ مطلع سے غائب ہو چکا ہوتا ہے۔ پس ہلال کا مطلع بھی چھوٹا ہوتا ہے اس لئے مَنْ شَہِدَ کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ تم میں سے جو اپنی آنکھوں سے دیکھے صرف وہی شخص روزے رکھے۔ مراد ہے وہ لوگ جن کا افق ایک ہے، جن کے ہمیشہ سے ہی چاند اکٹھے طلوع ہوتے ہیں۔ جب طلوع ہوتے ہیں سب پر ہی طلوع ہوتے ہیں۔ جب غروب ہوتے ہیں تو سب پر ہی غروب ہوتے ہیں۔ پس وہ لوگ جن کا افق مشترک ہو ان میں سے کوئی بھی دیکھے تو سب قوم کے دیکھنے کا حکم ان پر صادق آجائے گا گویا ساری قوم نے دیکھ لیا۔"

(الفضل انٹر نیشنل 8تا14/ مارچ 1996ء، خطبہ جمعہ فرمودہ مؤرخہ 19/جنوری 1996ء)

روزہ کے مسائل کے سلسلہ میں بعض اہم امور مثلاً روزہ کیلئے نیت، سحری وافطاری کا وقت، نماز تراویح کے مسائل، مریض اور مسافر کا روزہ نہ رکھنا، فدیہ، اعتکاف اور ماہ شوال کے روزہ وغیرہ ایسے موضوع ہیں جو سیر حاصل بحث کے متقاضی ہیں، لہٰذا ان مسائل پر انشاءاللہ آئندہ شمارہ میں بیان کیا جائے گا۔

* * *

THOMPSON & CO SOLICITORS

Consult us for your legal requirements
such as Immigration & Nationality,
Conveyancing & Employment,
Welfare Benefits, Personal Injury,
Family & Ancillary Proceedings,,
Wills & Probate, Criminal Litigation .

Contact:

Anas A.Khan, John Thompson Solicitors
1st floor 48 Tooting High Street
London SW17 0RG
Tel: 020 8333 0921+020 8767 5005
Mobile: 0780-3298065 Fax: 020 8871 9398

الفضل ڈائجسٹ

(مرتبہ : محمود احمد ملک)

اس کالم میں ان اخبارات و رسائل سے اہم و دلچسپ مضامین کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے جو دنیا کے کسی بھی حصہ میں جماعت احمدیہ یا ذیلی تنظیموں کے زیر انتظام شائع کئے جاتے ہیں۔

گی آنا میں اسلام اور احمدیت کا آغاز

روزنامہ ''الفضل'' ربوہ ۱۸؍دسمبر ۲۰۰۴ء اور ۴؍جولائی ۲۰۰۵ء میں مکرم میر غلام احمد نسیم صاحب کے قلم سے دو مضامین شامل ہیں جن میں جنوبی امریکہ کے ملک گی آنا کا تعارف کروایا گیا ہے اور یہاں اسلام اور احمدیت کی آمد اور ترقی کا مختصر ذکر کیا گیا ہے۔

گی آنا کو استعماری طاقتوں نے اپنی نوآبادیاتی یلغار کے وقت تین حصوں میں تقسیم کرلیا تھا۔ اس طرح ان حصوں کے الگ الگ نام برٹش گی آنا، ڈچ گی آنا اور فرنچ گی آنا قرار پائے۔ ان میں سے برٹش گی آنا نے مئی 1966ء میں آزادی کے بعد ''گی آنا'' نام اختیار کرلیا اور باقی دونوں علاقے ابھی تک ہالینڈ اور فرانس کی نوآبادیاں ہیں۔

گی آنا کے معنی پانیوں کی زمین کے ہیں۔ ہر طرف دریا ہی دریا ہیں۔ بعض دریا غیر معمولی نوعیت کے ہیں۔ بعض جگہ ان کی چوڑائی میلوں تک ممتد ہے۔ اکثر دریاؤں میں جہاز رانی ہوتی ہے۔ آبادی زیادہ تر ساحلی علاقوں تک محدود ہے۔ اندرونی علاقے غیر آباد اور جنگلات سے اٹے پڑے ہیں۔ آب و ہوا معتدل ہے۔ بارش کثرت سے ہوتی ہے۔ پیداوار میں گنا اور چاول مشہور ہیں۔ پھول بھی کثرت سے ہوتے ہیں۔

سولھویں صدی سے قبل کی تاریخ پردۂ اخفاء میں ہے۔ نوآباد جب وہاں پہنچے تو بغیر کسی بڑی لڑائی کے علاقہ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئے کیونکہ وہاں کے اصل باشندے نہ تو جدید فنونِ حرب سے واقف تھے اور نہ ہی اتنے منظّم کہ حملہ آوروں کا مقابلہ کرسکیں۔ استعماری طاقتوں کو اگر کہیں لڑائی کرنی پڑی تو وہ آپس میں ہی تھی۔ اصل باشندوں نے جنگلوں اور پہاڑوں میں پناہ لے لی اور اب تک دُور دراز علاقوں میں ان کی بستیاں ملتی ہیں۔ ان کو امریکن انڈین کہا جاتا ہے جو بہت ہی کم تعداد میں ہیں اور اب بھی نئی تہذیب سے نابلد، پہاڑوں اور جنگلوں میں رہائش پذیر ہیں۔

نوآباد جب وہاں قابض ہوئے تو ان کو زرخیز زمینوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے مزدوروں کی ضرورت پیش آئی۔ انہوں نے غلاموں کو خریدنا شروع کیا لیکن جلد ہی غلامی غیرقانونی قرار پاگئی تو ہندوستان، انڈونیشیا، چین اور پرتگال سے ایسے لوگ لے جائے گئے جو گنے کے کھیتوں میں کام کرسکیں۔ اس طرح وہاں کی آبادی چوں چوں کا مربہ بن گئی۔

گی آنا کی آبادی، تمدن اور مذہبی حالات کو جزائر غرب الھند (West Indies) سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ وہاں تک رسائی کا ذریعہ یہی جزائر رہے ہیں۔ گی آنا میں اسلام کی داستان بھی ان جزائر سے الگ ہوکر بیان نہیں کی جاسکتی۔ بحراوقیانوس کے یہ چھوٹے چھوٹے جزائر کولمبس نے دریافت کئے تھے۔ ان جزائر میں پہنچ کر اس کا خیال تھا کہ وہ ہندوستان کے قریب پہنچ گیا ہے۔ اور یہ جزائر یورپ کو مغرب کی طرف سے ہندوستان سے ملاتے ہیں۔ چنانچہ اس وجہ سے اس نے ان جزائر کو West Indies کا نام دیدیا۔

17ویں صدی میں افریقہ کے سیاہ فام باشندوں کو یہاں غلامی کے لئے لایا جانے لگا۔ پرتگالی اس سے قبل ہی مغربی افریقہ سے غلاموں کی تجارت کر رہے تھے۔ پھر سپین کی حکومت نے باقاعدہ اجازت نامے جاری کئے کہ افریقنوں کو غلاموں کے طور پر ان جزائر میں لایا جائے بشرطیکہ وہ عیسائی ہوں۔ اس تجارت کا کھلنا تھا کہ ایک اندازے کے مطابق کوئی دو کروڑ لوگ نئی دنیا میں پہنچا دیئے گئے۔ ایک انگریز John Hawkin پہلا شخص تھا جس نے مغربی افریقہ کے پرتگالی علاقہ سے غلامی کی تجارت کا آغاز کیا۔ 1562ء میں اس نے لنڈن کے بعض تاجروں کو اپنا ہمدرد بنالیا اور اس طرح غلاموں کی تجارت کی اجازت حاصل کرلی۔ افریقہ کے قبائلی سرداروں نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہزاروں انسانوں کو یورپین تاجروں کے ہاتھوں فروخت کرنا شروع کر دیا۔ جوں جوں غلاموں کی قیمت بڑھتی گئی، یہ صورت ہوگئی کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ پر چھوٹا موٹا حملہ کرتا اور کچھ لوگوں کو پکڑ کر یورپ کے تاجروں کے ہاتھ فروخت کر دیتا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ بعد میں سردار اپنے ہی قبیلہ کے آدمی تاجروں کے ہاتھ فروخت کردیتے۔

چونکہ غلام جنگی قیدی ہوتے تھے اور بعض دفعہ کسی قبیلہ کے سردار یا اس کے رشتہ دار بھی غلام بننے پر مجبور کردیئے جاتے تھے لہٰذا جب وہ اکٹھے ہوتے تو ان میں سے کوئی نہ کوئی ایسا آدمی نکل آتا جو ان کو منظّم کر سکے۔ چنانچہ 17ویں صدی میں بہت سی جگہ ان غلاموں نے بغاوتیں بھی کیں۔ بغاوتوں سے بچنے کے لئے مالک ان کو ایک دوسرے سے رابطہ قائم کرنے سے روکتے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات مذہبی رسوم ادا کرنے سے بھی روک دیا جاتا۔ قانونی شادی بھی نہ کرنے دی جاتی اور ان کے بچوں کو دوسری جگہ بیچ دیا جاتا۔ باغی کو میخوں سے لکڑی کے تختہ پر پیوست کرکے جلایا جاتا۔

غلاموں کو مجبوراً وہ زبان سیکھنی پڑتی جو ان کے مالک بولتے اور چونکہ مالک زیادہ عیسائی ہوتے تھے اس لئے وہ اپنے مالک کا مذہب بھی اختیار کر لیتے۔

ان جزائر میں اسلام غالباً نائیجیریا سے آنے والے غلاموں کے ذریعہ پہنچا۔ غلاموں کو مذہبی رسوم ادا کرنے کی آزادی نہ تھی بلکہ پابندی تھی کہ وہ عیسائی مذہب کے مطابق عبادات بجا لائیں۔ چنانچہ بعض مسلمان افریقن چھپ چھپا کر نماز ادا کیا کرتے تھے اور جب مالکوں کو علم ہوتا تو وہ ان پر سختی کرتے اور انہیں عیسائی مذہب کے مطابق عبادت کرنے پر مجبور کرتے۔ ان جزائر میں ''مسلمان'' کو ''فولا مین'' (Fula Man) بھی کہا جاتا ہے۔ دراصل مغربی افریقہ کے ساحلی علاقوں میں ایک مسلمان قبیلہ 'فولا' کہلاتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ عربوں کی بالواسطہ اولاد ہیں اور یہ کہ ان کے ذریعہ ان علاقوں میں اسلام پہنچا۔ چونکہ یہ قبیلہ مسلمان ہے اس لئے ہر مسلمان کو عام لوگ اسی نام سے پکارتے ہیں۔

گی آنا میں احمدیت قریباً 1925ء میں متعارف ہوئی جب وہاں کے اردو خوان مسلمان اردو زبان کا لٹریچر انڈیا سے منگوایا کرتے تھے۔ ہمارا مشن وہاں اس طرح قائم ہوا جب یوسف خان نامی ایک نوجوان نے 1956ء میں ایک کتاب خرید لی، پھر قریبی مشنوں (سورینام، ٹرینیڈاڈ) سے رابطہ کیا۔ پھر مزید مطالعہ کرکے شرح صدر کے ساتھ بیعت کرلی۔ ان کی دعوت الی اللہ کے نتیجہ میں کئی افراد کی جماعت قائم ہوگئی جن میں ایک قابل ذکر نام ایم۔ ایس۔ بخش صاحب کا تھا۔ 1959ء میں محترم بشیر احمد آرچرڈ صاحب نے گی آنا کا دورہ کیا اور کئی اجتماعات سے خطاب کیا جن سے متأثر ہوکر سسٹرز ولیج کی مسجد کے امام محترم مولوی ابراہیم خانصاحب احمدی ہوگئے اور اُن کے عملی نمونہ سے متأثر ہوکر وہاں کے سارے مسلمان جماعت میں شامل ہوگئے۔ اس طرح گی آنا میں یہ پہلی احمدیہ مسجد بن گئی۔

1960ء میں محترم آرچرڈ صاحب بطور مبلغ وہاں پہنچے اور باقاعدہ مشن قائم ہوا۔ مئی 1966ء تک آپ وہاں مقیم رہے جب خاکسار وہاں پہنچ گیا۔ 29/جنوری 1967ء کو گی آنا کا پہلا جلسہ سالانہ نیوایمسٹرڈیم میں منعقد ہوا جہاں احمدیہ مشن قائم تھا۔ محترم آرچرڈ صاحب ایک گاؤں Rozignal میں مسجد کے قیام کی کوشش کر رہے تھے، 1967ء میں رکاوٹ دُور ہوگئی اور پلاٹ ہمیں مل گیا جس پر مسجد اپنی مدد آپ کے تحت بنائی گئی۔ 1970ء میں ایڈن برگ میں بھی مسجد کی تعمیر ہوگئی۔ اگست 1970ء میں خاکسار کی گی آنا سے واپسی ہوئی۔

* * *

جماعت احمدیہ اور مولانا عبیداللہ سندھی

ماہنامہ ''خالد'' ربوہ اپریل 2005ء میں مکرم مرزا خلیل احمد قمر صاحب نے جناب مولانا عبیداللہ سندھی کے جماعت احمدیہ کے ساتھ تعلقات پر روشنی ڈالی ہے۔

مولانا عبید اللہ سندھی چیانوالی ضلع سیالکوٹ کے ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ پیدائشی نام بوٹا سنگھ تھا اور خاندان زرگری کے پیشہ سے متعلق تھا۔

جب آپ سکول میں پڑھتے تھے تو 1884ء میں آریہ سماج کے ایک لڑکے سے کتاب ''تحفۃ الہند'' از نومسلم عالم مولانا عبیداللہ صاحب مالیرکوٹلہ پڑھنے کو ملی۔ اس کتاب کے مطالعہ سے راہ حق کی جانب راغب ہوئے۔ پھر ''تقویۃ الایمان'' اور ''احوال الآخرۃ'' کتب سے متاثر ہوکر اسلام قبول کرلیا۔ اپنے ایک دوست محمد رفیق کے ساتھ 15/اگست 1887ء جام پور سے نکل کھڑے ہوئے کچھ دن کوٹلہ رحیم شاہ ضلع مظفرگڑھ میں گذارے اس کے بعد سندھ چلے گئے جہاں حافظ محمد صدیق صاحب چونڈی کے حلقہ ارادت میں شامل ہوگئے۔ وہاں سے مولانا غلام محمد صاحب کے پاس دین پور چلے گئے۔ اکتوبر 1888ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ ملا اور مولانا ابوسراج، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمودالحسن شیخ الہند سے تلمذ کیا۔ مولانا نذیر حسین دہلوی سے صحیح بخاری اور جامع ترمذی پڑھیں۔ کانپور میں مولانا احمد حسن کانپوری سے حکمت و فلسفہ کی تعلیم پائی اور رامپور میں مولوی ناظر الدین سے منطق کا درس لیا۔ 1891ء میں تعلیم مکمل کر کے اروٹ شریف آکر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اس دوران مولوی محمد عظیم خاں کی دختر سے ان کی شادی ہوگئی۔ 1901ء میں سندھ کے ایک بڑے دینی اور روحانی مرکز گوٹھ پیر جھنڈا منتقل ہوگئے اور وہاں مدرسۃ الرشاد کی بنیاد رکھی۔

مولانا سندھی مولانا محمود الحسن کے شاگرد رشید تھے اور انہی کی طرح برطانوی حکومت کے خلاف خفیہ سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیتے تھے۔ اس لئے دیوبند کے ارباب حل و عقد مولانا سندھی کی سیاسی سرگرمیوں کو خطرہ کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ان کے مخصوص نظریات کا بہانہ بنا کر علمائے دیوبند مولانا محمد انور شاہ کشمیری اور مولانا شبیر احمد عثمانی نے آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ مولانا سندھی اس حوالہ سے لکھتے ہیں: ''یہ جو تاریخ اسلام میں تم اکثر پڑھتے ہو کہ فلاں ملحد تھا۔ فلاں زندیق تھا۔ فلاں نے اسلام کو یوں نقصان پہنچایا۔ فلاں سے مسلمانوں کو یہ گزند پہنچا وغیرہ وغیرہ۔ تو یاد رکھو ان میں سے اکثر ایسے تھے جو اپنے اپنے زمانے میں مروّجہ مفاسد کی اصلاح کرنا چاہتے تھے لیکن برسر اقتدار طبقے کے مفادات پر اس سے زَد پڑتی تھی۔ چنانچہ اس کی طرف سے ان کے خلاف مذہبی حربہ استعمال کیا گیا اور اس کے جواب میں بھی مذہب ہی میدان میں آیا۔ اور اس طرح معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی اصلاح کی کشمکش مذہبی کشمکش بن گئی اور ایک دوسرے کو ملحد اور زندیق ٹھہرایا گیا۔''

آپ 1912ء میں دہلی منتقل ہوگئے یہاں نظارۃ المعارف کی بنیاد رکھی۔ اگست 1915ء میں ہجرت کر کے کابل چلے گئے۔ قیام کابل کے دوران آپ نے آزادئ ہندوستان کی سکیم تیار کی جس نے تاریخ آزادی پاک و ہند میں ''ریشمی رومال کی تحریک'' سے شہرت پائی۔ اکتوبر 1922ء تا جولائی 1923ء ماسکو میں قیام رہا۔ 10/نومبر 1923ء تا 23/جون 1926ء ترکی میں قیام پذیر رہے۔ اگست 1926ء میں مکہ معظّمہ چلے گئے اور مارچ 1939ء کو ہندوستان میں مراجعت ہوئی۔ 22/اگست 1944ء میں وفات پائی اور دین پور سندھ میں تدفین عمل میں آئی۔

مولانا بہت معاملہ فہم عالم تھے اور مذہبی تنگ نظری کے بہت خلاف تھے۔ چنانچہ جس بات کو حق سمجھتے اس سے نہ ٹلتے۔ جماعت احمدیہ اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ سے دلی محبت رکھتے تھے جس کا برملا اظہار کرتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے بھی 1909ء سے تا وفات تعلقات رہے۔ جس کا حضورؓ نے کئی بار ذکر فرمایا۔ مولانا کئی مسائل میں جماعت احمدیہ کا مؤقف اختیار کئے ہوئے تھے اور اس کا برملا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً

☆ ایک دن حرم میں بیٹھے ہوئے آپ نے مختلف ملکوں کے حاجیوں کی ٹولیاں دیکھیں جو خانہ کعبہ کا طواف کررہی تھیں۔ ہر ٹولی کے آگے آگے معلم کا ایک آدمی تھا جو اونچی آواز سے عربی میں مسنونہ دعائیں پڑھتا اور اکثر حاجی بغیر سمجھے اور بعض دفعہ غلط ملط یہ دعا دہرا دیتے۔ اس پر مولانا نے بڑے دکھ کے ساتھ فرمایا کہ اپنے رب کو اپنی مادری زبان میں پکارنا انسان پر بڑا اثر کرتا ہے۔ یہ پکار انسان کے دل سے نکلتی ہے اور جسم اور روح کے اندر اس کی تاثیر سرایت کرجاتی ہے۔ ان عرب معلموں نے صرف عربی زبان میں دعاؤں پر زور دے کر حج اور اس کے مناسک کو بے روح بنادیا ہے۔

☆ ایک روز عام علماء کا ذکر ہو رہا تھا مولانا نے فرمایا کہ: ”اگر کوئی مولوی مجھے کافر کہے تو میں کہوں گا کہ کافر وہ خود ہے کیونکہ وہ جن عقائد و مبادی کی بناء پر مجھے کافر ٹھہراتا ہے وہ ان عقائد و مبادی کو عملی شکل دینے کے لئے کچھ نہیں کرتا۔ اس کے برخلاف میں جس چیز کو حق سمجھتا ہوں اسے اس زندگی میں بروئے کار لانے کے لئے سرگرم کار ہوں۔ لیکن وہ مولوی جس بناء پر مجھ پر کفر کا حکم لگاتا ہے وہ اسے نافذ کرنے کے لئے ذرا بھی کوشش نہیں کرتا“۔

☆ اپنی تفسیر القرآن میں وفات مسیح علیہ السلام کے سلسلہ میں لکھتے ہیں: ”بل رفعه الله یہ کلمہ قرآن میں ایک بار مستعمل نہیں ہوا بلکہ اس کلمہ کی بہت سی مثالیں اور نظائر ہیں جیسے اجتماعات میں مقام عالی حاصل ہو تو قرآن اسے رفع کے ساتھ موصوف کرتا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ نے مسیح کا درجہ بلند کیا۔ اب ہم موسیٰ علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات نہیں جان سکتے جب تک کہ ابن مریم کی اتباع نہ کریں۔ یقیناً اللہ نے اس کا مقام بلند کیا۔ نیز ہمیں یہ ضرورت نہیں کہ قرآن کی تفسیر میں اس کے رفع جسمانی کے قائل ہوں“۔

☆ جماعت احمدیہ کی غیر مذاہب کے مقابلہ کے سلسلہ میں خدمات و مساعی کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں: جمیع اقوام عالم سے چند آدمی ایک خالص دینی اور مذہبی کانفرنس (مؤتمر) منعقد کرنے کی غرض سے ہمارے شہروں کی طرف آئے۔ جو اس بارہ میں انگریزی میں بحث کرنا چاہتے تھے کہ انسانیت عامہ کے لئے کونسا دین مناسب ہے۔ تو مَیں نے علمائے وقت سے سوال کیا کہ اُن پر واجب نہیں تھا کہ اس مؤتمر میں کوئی ایسا شخص بھیجتے جو ان لوگوں پر اسلام پر پیش کرتا؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ کوئی فرض نہیں۔ میں نے کہا: وہ تو چل کر ہندوستان میں تمہارے گھروں تک پہنچے ہیں۔ تو (علماء) کہنے لگے کہ ہم ان کی انگریزی زبان نہیں جانتے۔ مَیں نے کہا اگر تم اولادِ مسلمین کو علم دین کی تعلیم دے کر پہلے اس فریضہ کو ادا کر چکے ہوتے تو وہی آج تمہاری طرف سے وکیل بن کر اسلام پیش کرتے۔ لیکن ہوا یہ کہ مرزا قادیانی کے پیروکاروں سے ایک شخص اس مؤتمر میں گیا جس نے ان پر اسلام پیش کیا۔ تو پھر میرے پوچھنے پر اہل علم گویا ہوئے کہ یہی کافی ہے۔ مَیں نے کہا: کیا تم قادیانیوں کی تکفیر سے رجوع کرتے ہو لیکن وہ اسکے بعد بھی ان کی تکفیر پر مصر رہے۔ اس پر مَیں نے کہا کہ تمہاری طرف سے فرض کفایہ کیسے ایک کافر انسان ادا کر سکتا ہے؟ یا تو تم قادیانیوں کو کافر نہ کہو تا کہ تم انہیں اسلام میں اپنا وکیل بنا سکو یا اہل اسلام کے ان لوگوں کو جو انگریزی زبان کے ماہر ہیں دینی تعلیم دیدو۔ لیکن انہوں (علماء) نے تو نہ یہ بات مانی اور نہ وہ مانی۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ علماء ان مسلمان جوانوں کو (جو انگریزی تعلیم رکھتے ہیں) دین کی تعلیم نہیں دے سکتے کیونکہ یہ خود دینی حکمت اور فلسفہ سے ناواقف اور بے بہرہ ہیں۔

☆ پروفیسر محمد سرور صاحب اپنی مرتّبہ کتاب میں بیان کرتے ہیں کہ مولانا نے ایک بار فرمایا: ”ابھی کل کی بات ہے یہیں مرزا غلام احمد تھے۔ ان کے زمانے میں مسلمانوں کی چند ضرورتیں تھیں اور اس دَور کے کچھ تقاضے تھے۔ مرزا غلام احمد نے قرآن اور اسلام کی خاص طرح سے تعبیر کر کے انہیں پورا کیا۔ انہوں نے قادیان میں ایک مدرسہ بنایا، لنگر خانہ کھولا اور لوگوں کو اپنے اردگرد جمع کیا۔ آج تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ ان کی ایک جماعت ہے اور وہ کام کر رہی ہے۔ اس کا اچھا خاصا اثر بھی ہے۔

☆ پروفیسر محمد سرور مزید بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب مولانا حرم میں بیٹھے ہوئے کسی سوال پر کہنے لگے کہ حکیم نورالدین بہت بڑے عالم قرآن تھے۔ حاضرین میں سے ایک صاحب ناراض ہو کر کہنے لگے کہ مولانا! وہ تو قادیانی تھے۔ مولانا مسکرائے اور بڑے تحمل سے کہا کہ میں نے کب کہا ہے کہ حکیم نورالدین قادیانی نہیں ہے۔ میں نے جو بات کہی ہے وہ تو صرف اتنی ہے کہ وہ بہت بڑے عالم قرآن تھے۔ دوسرے دن فرمانے لگے کہ میں حکیم صاحب سے قادیان میں متعدد بار ملا۔ واقعی وہ بہت بڑے عالم قرآن تھے۔ میں تو ہندوستان سے باہر کئی اسلامی ملکوں میں رہ چکا ہوں اور یہاں مکہ معظّمہ میں مختلف ملکوں سے بڑے بڑے مسلمان علماء آتے رہتے ہیں۔ مجھے ان سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے میں کہتا ہوں کہ میں نے آج تک علوم قرآن کا اتنا بڑا عالم نہیں دیکھا جتنے حکیم نور الدین تھے۔ ایسے بے نظیر عالم اور صاحب فضل شخص کا مرزا غلام احمد جیسے شخص کا مرید اور عقیدتمند بن جانا بظاہر عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس معاملے میں قدرے تعمق سے کام لیا جائے تو یہ بات ناقابل فہم نہیں رہتی۔ مولوی نورالدین کو قرآن سے انتہائی شغف تھا۔ انہیں یہ لگن تھی کہ جس طرح بھی ہو، قرآن کی اشاعت ہو۔ اس کی خوبیوں سے لوگوں کو آشنا کیا جائے۔ مولوی صاحب کے اندر یہ تڑپ تھی لیکن ان کو خود اپنے اوپر اتنا اعتماد نہ تھا کہ وہ اس دعوت کے بنفس نفیس علم بردار بنتے اور اس کے قائد اور امام بن کر لوگوں کو اپنے پیچھے چلاتے۔ بے شک ان میں علم تھا اور ان کی نظر وسیع تھی حقیقت شناس دل اور دماغ کے مالک تھے...... حسن اتفاق سے ان کو مرزا صاحب جیسی جرأت، اولوالعزم اور اپنے اوپر اعتماد رکھنے والی شخصیت مل گئی چنانچہ مرزا صاحب کو پیشوا اور امام ماننے میں مولوی صاحب کو مطلق کوئی تامل نہ ہوا کیونکہ ان کی قیادت میں اپنے نقطۂ نظر کے مطابق قرآنی دعوت کو عام اور دین حق کی خدمت کر سکتے تھے اور اس کام کے لئے جن اوصاف کی وہ اپنے اندر کمی پاتے تھے مرزا صاحب کی شخصیت میں وہ خوبیاں انہیں بدرجہ اُتم مل گئی تھیں۔

☆ ایک اور موقع پر مولانا نے کہا: میں مولوی نورالدین کو واقعی بڑا آدمی سمجھتا ہوں۔ ان کے علم، تفقہ فی الدین، خلوص، ایثار، بے غرض خدمت دین اور سب سے بڑھ کر ان کے اپنے آپ کو ایک مقصد کے لئے وقف کر دینا ان چیزوں کا میں بڑا معترف ہوں۔

☆ معروف انقلاب پسند جناب اقبال شیدائی کے نام اپنے خط محررہ 2/اکتوبر 1924ء میں مولانا لکھتے ہیں: ”آپ کو معلوم نہیں کہ مَیں مولانا نورالدین مرحوم کی خدمت میں کس طرح حاضر ہوا۔ آپ مولانا محمد علی اور مولانا صدرالدین سے دریافت کر سکتے ہیں کہ مولانا مرحوم میرے متعلق کیا خیال رکھتے تھے۔ ان کی دعاؤں کو مَیں اپنے لئے ایک ذریعہ نجات سمجھتا ہوں۔ اس وجہ سے میرے دیو بندی کشمیری دوستوں نے میری تکفیر سے گریز نہیں کیا۔ مگر میری محبت اس پارٹی سے کم نہیں ہوئی۔

☆ نیز لکھا کہ مولانا نورالدین مرحوم کو علمائے اسلام میں بہت بڑے درجے پر مانتا ہوں...... اُن کے خاص شاگردوں کی بہت عزت کرتا ہوں۔ میری اس تفریق کو جو لوگ نہیں سمجھتے وہ مجھے برا بھلا کہتے رہتے ہیں۔

☆ مولانا عبید اللہ صاحب سندھی قادیان میں حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ کے پاس آیا کرتے تھے اور کئی کئی ہفتے قیام کر کے قرآن کریم کے علوم و معارف سیکھتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں کہ جب میری عمر کوئی اکیس سال کی تھی کہ ایک سندھ کے مولوی صاحب غالباً مولانا عبیداللہ صاحب سندھی جو اکثر قادیان آتے رہتے تھے، استاذی المکرّم حضرت مولوی نورالدین صاحب سے ملنے کے لئے آئے اور یہ آیت آپؓ کے سامنے حل کرنے کے لئے رکھی کہ قرآن نے یہ کیا کہا ہے کہ اگر کئی معبود ہوتے زمین و آسمان میں فساد پیدا ہو جاتا حالانکہ معبود تو کہتے ہی اسے ہیں جو کامل القویٰ ہو......۔

حضرت مولوی صاحبؓ نے ان کو کئی جواب دیئے مگر ان کی تسلی نہ ہوئی۔ بڑی دیر تک وہ اعتراض کرتے چلے گئے۔ جب بحث لمبی ہوگئی اور سندھی صاحب نے کہا کہ اعتراض کا کوئی جواب نہیں ہوسکتا۔ تو حضرت مولوی صاحبؓ نے بڑے جوش سے کہا آپ مجھ سے کہتے ہیں کہ مَیں جواب نہیں دے سکتا، ذرا اس بچہ سے جو میرا شاگرد ہے بحث کر کے دیکھ لیں۔ مولوی عبیداللہ صاحب کو معلوم تھا کہ مَیں بانیٔ سلسلہ کا بیٹا ہوں۔ وہ تھے تو دیو بندی مگر ایک لمبے عرصے تک مختلف پیروں کے مرید بھی رہ چکے تھے اور پیروں کا ادب ان کے دل میں بڑا تھا۔ استاذی المکرّم کی بات سن کر کہنے لگے ان سے میں بحث نہیں کروں گا یہ تو مرزا صاحب کے بیٹے ہیں۔ معلوم نہیں اگر بحث ہو جاتی تو میں اس وقت کیا جواب دیتا لیکن اب میں سمجھتا ہوں کہ بے شک اللہ کامل القویٰ ہوتے ہیں لیکن ان کا کامل القویٰ ہونا ہی بتاتا ہے کہ وہ ایک وقت ایک سے زیادہ نہیں ہوسکتے۔ مذکورہ بالا واقعہ تو 1909ء کا ہے۔ یہی جواب سندھی مولوی صاحب کو دینا مناسب تھا۔ مگر اس وقت انہوں نے بحث سے انکار کر دیا۔

☆ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ 1912ء میں ہندوستان کے مشہور دینی مدارس کے دوروں کے سلسلہ میں دیو بند بھی گئے جہاں مولانا عبیداللہ سندھی صاحب سے آپؓ کی ملاقات ہوئی۔ اس سلسلہ میں آپؓ فرماتے ہیں کہ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کے بیٹے حافظ محمد احمد صاحب نے میرا بڑا ادب کیا اور مدرسہ والوں کو حکم دیا کہ جب یہ لوگ آئیں تو ان سے اعزاز کے ساتھ پیش آئیں۔ میری دعوت بھی کی۔ بعد میں انہوں نے مولوی عبید اللہ سندھی کو ہمارے پاس بھجوادیا اور معذرت کی کہ مجھے پتہ لگا ہے کہ بعض مولویوں نے آپ سے گستاخانہ کلام کیا ہے، مجھے اس کا بڑا افسوس ہے۔ اس وقت مولوی عبیداللہ سندھی جو بڑے متمدن اور مہذب آدمی تھے ان کے مشیر کار تھے۔

☆ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ مولانا عبیداللہ صاحب سندھی سے اپنے تعلقات کے بارہ میں فرماتے ہیں: ”مولوی عبید اللہ صاحب سندھی ایک خدا ترس انسان تھے اور سادہ مزاج تھے۔ میرے وہ بچپن سے واقف تھے۔ جماعت احمدیہ کے پہلے امام کے زمانہ میں وہ قادیان بھی آیا کرتے تھے۔ اور باوجود اس کے کہ میں اس وقت ایک طالب علم کی حیثیت رکھتا تھا، میرا بہت ادب کرتے تھے۔ بعد میں بھی ان کے ساتھ تعلقات قائم رہے۔ چنانچہ میں دیو بند میں بھی ان سے ملا تھا۔ کبھی کبھی پیغام و سلام بھی آتا جاتا رہتا تھا۔ اس لئے میرے دل میں ان کا بہت ادب ہے۔ میں ان کو متصنع آدمی نہیں سمجھتا۔ لیکن ان کو جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ شدت سے کیمونسٹ خیالات سے متاثر تھے۔

ہجرت کی تحریک کے موقع پر وہ ہندوستان سے نکلے۔ رشیا میں بڑے بڑے کیمونسٹ لوگوں سے ان کے تعلقات رہے۔ لیکن پھر بگاڑ پیدا ہوگیا۔ اور وہاں سے آ گئے۔ لیکن کیمونسٹ خیالات نے ان کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ بوجہ کیمونسٹوں سے بگاڑ کے وہ ظاہراً کیمونسٹ نہیں رہے تھے۔ مگر خیالات پر وہی رنگ تھا۔ حجاز میں رہتے ہوئے بھی جو رپورٹیں آتی تھیں وہ یہی تھیں کہ کیمونسٹ اصول کو انہیں نے ترک نہیں کیا ہے۔ چنانچہ غالباً 27ء یا 28ء کی بات ہے ان کے متعلق تحریک کی گئی کہ چونکہ کیمونسٹ حکومت ان کی مخالف ہے اس لئے ان کو ہندوستان میں آنے کی اجازت دی جائے۔ اس وقت غالباً سر ماؤنٹ مورنس پنجاب کے گورنر تھے۔ انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا میں ان کو جانتا ہوں اور آیا ان کو واپس آنے کی اجازت دینے میں کوئی حرج تو نہیں ہوگا۔ مَیں نے انہیں جواب دیا کہ میں مولانا کو خوب جانتا ہوں۔ وہ نہایت شریف اور نیک طبیعت کے آدمی ہیں لیکن اپنی بات کے پکے ہیں۔ نہ جلدی رائے قائم کرتے ہیں نہ جلدی رائے چھوڑتے ہیں۔ ہاں نیک طبیعت اور سادہ طبع ہونے کی وجہ سے دوسرے کے فائدہ کے خیال سے کبھی اپنی بات جلدی سے بدل لیتے ہیں مگر طبیعت کی وجہ سے نہیں بلکہ اخلاق کی اتباع کے خیال سے۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کو واپس آنے کی اجازت دیدی گئی۔......

اس کے بعد ہمیں ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ شاید 1944ء کی بات ہے کہ میں نے ان کو دعوت دینے کا ارادہ کیا مگر میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ وہ فوت ہوگئے۔ پرانی طرز کے علماء میں سے وہ ایک نہایت ہی اعلیٰ پایہ کے آدمی تھے۔ ...... ایک دفعہ مجھ سے کہنے لگے آپ جانتے ہیں کہ میں احمدیوں سے کوئی تعصب نہیں رکھتا۔ میں نے کہا خوب جانتا ہوں۔ کہنے لگے اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں احمدیہ عقیدہ سے بھی متفق ہوں۔ میں مرزا صاحب کو ایک بڑا بزرگ سمجھتا ہوں اور صوفی سمجھتا ہوں........... مولوی عبید اللہ صاحب سندھی کا بہت ادب اور احترام کرتا ہوں اور ان کو طبعاً ایک نیک انسان سمجھتا ہوں“۔

* * *

لجنہ اماء اللہ جرمنی کے رسالہ ”خدیجہ“ ۲۰۰۵ء میں شائع ہونے والا مکرم جمیل الرحمٰن جمیل صاحب کا خوبصورت کلام:

جھوم اے کالی گھٹا
رقص کر بادِ صبا
روحِ عالم گنگنا
آ گیا ہے، آ گیا
وہ محمدؐ کا غلام
اس زمانے کا امام
لب پہ ہیں حمد و درود
مست ہیں اہلِ سجود
بھیجتی ہے روز و شب
عشق کی بزم سرود
اپنے ساقی پر سلام
آ گیا ہے، آ گیا
اس زمانے کا امام

Muslim Television Ahmadiyya
Weekly Programme Guide
13th October 2006 – 19th October 2006

Please Note that programme and timings may change without prior notice All times are given in Greenwich Mean Time.
For more information please phone on +44 20 8875 4272 or fax +44 20 8874 8344

Friday 13th October 2006

00:00	Tilaawat, Dars-e-Hadith & MTA International Jama’at News
01:30	Dars-ul-Qur’an: An in depth explanation of Qur’anic verses by Hadhrat Khalifatul Masih IV (ra), during the month of Ramadhan. Recorded on 13th February 1994.
03:05	Al Maa’idah: A cookery programme.
03:20	Ramadhan Programme: A Question and Answer session based on Ramadhan.
04:25	Tilaawat
04:55	Huzoor’s Tours: A programme documenting Huzoor’s visit to India.
05:45	MTA Variety: A programme showing the art of wood cutting and carving.
06:05	Tilaawat, Dars-e-Hadith & MTA International Jama’at News
08:35	Indonesian service
09:45	Dars-ul-Qur’an: An in depth explanation of Qur’anic verses by Hadhrat Khalifatul Masih IV (ra), during the month of Ramadhan. Recorded on 14th February 1994.
12:00	LIVE Friday Sermon delivered by Hadhrat Mirza Masroor Ahmad, Khalifatul Masih V, From Baitul Futuh.
13:00	MTA International Jama’at News
13:35	Bengali Service
14:30	Friday Sermon [R]
15:35	Tilaawat
17:30	Seerat-un-Nabi (saw)
18:30	Arabic Service
20:30	Dars-ul-Qur’an: An in depth explanation of Qur’anic verses by Hadhrat Khalifatul Masih IV (ra), during the month of Ramadhan. Recorded on 14th February 1994. [R]
22:25	Friday Sermon [R]
23:45	Tilaawat

Saturday 14th October 2006

00:00	Tilaawat & MTA International Jama’at News
02:05	Dars-ul-Qur’an: An in depth explanation of Qur’anic verses by Hadhrat Khalifatul Masih IV (ra), during the month of Ramadhan. Recorded on 14th February 1994.
03:50	Friday Sermon delivered by Hadhrat Mirza Masroor Ahmad, Khalifatul Masih V. Recorded on 13th October 2006.
05:00	Dars-e-Hadith
05:20	Seerat-un-Nabi (saw)
06:00	Tilaawat & MTA Jama’at News
08:25	Friday Sermon [R]
09:40	Indonesian Service
10:50	Dars-ul-Qur’an: An in depth explanation of Qur’anic verses by Hadhrat Khalifatul Masih IV (ra), during the month of Ramadhan.
12:40	MTA International Jama’at News
13:15	Bangla Shomprochar
14:15	Ramadhan Question and Answer: A question and answer session with Ataul Mujeeb Rashid and Nadeem Karamat.
15:25	Tilaawat
17:25	Seerat-un-Nabi (saw)
18:30	Arabic Service
20:35	MTA International Jama’at News
21:05	Dars-ul-Qur’an: An in depth explanation of Qur’anic verses by Hadhrat Khalifatul Masih IV (ra), during the month of Ramadhan. [R]
23:00	Tilaawat

Sunday 15th October 2006

00:00	Tilaawat, Dars-e-Hadith
01:10	MTA International Jama’at News
01:40	Dars-ul-Qur’an: An in depth explanation of Qur’anic verses by Hadhrat Khalifatul Masih IV (ra), during the month of Ramadhan.
03:30	Tilaawat
03:45	Dars-e-Hadith
04:05	Kehkashan: A special discussion programme on the topic of Ramadhan.
05:00	Friday Sermon delivered by Hadhrat Mirza Masroor Ahmad, Khalifatul Masih V. Recorded on 13th October 2006.
06:00	Tilaawat, Dars-e-Hadith & MTA News Review
08:45	Children’s Class with Huzoor. Recorded on 6th May 2005.
09:25	Meeting with students in Germany: A meeting with Hadhrat Mirza Masroor Ahmad, Head of the Ahmadiyya Muslim Community with students in Germany. Recorded on 9th June 2006.
09:45	Indonesian Service
11:00	Dars-ul-Qur’an: An in depth explanation of Qur’anic verses by Hadhrat Khalifatul Masih IV (ra), during the month of Ramadhan.
12:50	MTA International News Review
13:20	Bangla Shomprochar
14:20	LIVE Husne Qirat competition.
15:25	Tilaawat
17:30	Seerat-un-Nabi (saw)
18:30	Arabic Service
19:20	Liqaa Ma’al Arab: A sitting with Hadhrat Khalifatul Masih IV (ra) and Arabic speaking guests. Session 183, Recorded on: 10/07/1996.
20:20	MTA International News Review
21:00	Dars-ul-Qur’an: An in depth explanation of Qur’anic verses by Hadhrat Khalifatul Masih IV (ra), during the month of Ramadhan. [R]
23:00	Tilaawat

Monday 16th October 2006

00:00	Tilaawat, Dars-e-Hadith, MTA News Review
01:40	Dars-ul-Qur’an: An in depth explanation of Qur’anic verses by Hadhrat Khalifatul Masih IV (ra), during the month of Ramadhan.
03:25	Friday Sermon delivered by Hadhrat Mirza Masroor Ahmad, Khalifatul Masih V. Recorded on 13th October 2006.
04:25	Meeting with students in Germany: A meeting with Hadhrat Mirza Masroor Ahmad, Head of the Ahmadiyya Muslim Community with students in Germany. Recorded on 9th June 2006.
04:45	Tilaawat
05:05	Seerat-un-Nabi (saw)
06:00	Tilaawat, Dars-e-Hadith & MTA International Jama’at News
08:55	Children’s Class with Huzoor. Recorded on 7th May 2005.
10:00	Indonesian Service
11:25	Dars-ul-Qur’an: An in depth explanation of Qur’anic verses by Hadhrat Khalifatul Masih IV (ra), during the month of Ramadhan.
12:35	MTA International Jama’at News
13:10	Bangla Shomprochar
14:10	Friday Sermon delivered by Hadhrat Khalifatul Masih V. Recorded on: 18/11/2005.
15:05	Tilaawat
17:20	Seerat-un-Nabi (saw)
18:30	Arabic Service
19:30	Liqaa Ma’al Arab: A sitting with Hadhrat Khalifatul Masih IV (ra) and Arabic speaking guests. Session 184, Recorded on: 11/07/1996.
20:35	MTA International Jama’at News
21:15	Dars-ul-Qur’an: An in depth explanation of Qur’anic verses by Hadhrat Khalifatul Masih IV (ra), during the month of Ramadhan. [R]
22:45	Tilaawat

Tuesday 17th October 2006

00:00	Tilaawat, Dars-e-Hadith & MTA News Review Special
01:20	Dars-ul-Qur’an: An in depth explanation of Qur’anic verses by Hadhrat Khalifatul Masih IV (ra), during the month of Ramadhan.
02:25	Medical Matters: A health related programme about ailments of the skin.
03:05	Dars-e-Hadith
03:30	Seerat-un-Nabi (saw)
04:20	Tilaawat
05:00	Rencontre Avec Les Francophones: A weekly studio sitting with French speaking friends with Hadhrat Khalifatul Masih IV (ra). Session 13, Recorded on: 01/12/1997.
06:05	Tilaawat, Dars-e-Hadith & MTA News Review Special
08:35	Children’s Class with Huzoor. Recorded on 18th June 2005.
09:35	Indonesian Service
11:00	Dars-ul-Qur’an: An in depth explanation of Qur’anic verses by Hadhrat Khalifatul Masih IV (ra), during the month of Ramadhan.
12:30	Dars-e-Hadith
12:55	MTA International News Review Special
13:30	Bangla Shomprochar
14:30	Seerat-un-Nabi (saw)
15:15	Jalsa Salana Holland 2004: Address, delivered by Hadhrat Mirza Masroor Ahmad, Head of the Ahmadiyya Muslim Community, from the ladies Jalsa Gah, on the occasion of Jalsa Salana Holland 2004. Recorded on 5th June 2004.
15:45	Tilaawat
17:45	Learning Arabic: Programme No. 5.
18:25	Arabic Service
20:35	MTA International News Review special
21:05	Dars-ul-Qur’an: An in depth explanation of Qur’anic verses by Hadhrat Khalifatul Masih IV (ra), during the month of Ramadhan. [R]
22:40	Learning Arabic: Programme No. 5 [R]
23:15	Tilaawat

Wednesday 18th October 2006

00:00	Tilaawat, Dars-e-Hadith & MTA International Jama’at News
01:50	Dars-ul-Qur’an: An in depth explanation of Qur’anic verses by Hadhrat Khalifatul Masih IV (ra), during the month of Ramadhan.
03:20	Tilaawat
03:35	Dars-e-Hadith
04:05	Seerat-un-Nabi (saw)
04:50	Tilaawat
05:05	Jalsa Salana Holland 2004: An Address, delivered by Hadhrat Mirza Masroor Ahmad, Head of the Ahmadiyya Muslim Community, from the ladies Jalsa Gah, on the occasion of Jalsa Salana Holland 2004. Recorded on 5th June 2004.
05:30	Learning Arabic: Programme No. 5.
06:05	Tilaawat, Dars-e-Hadith & MTA Jamaat News
08:50	Children’s Class with Huzoor. Recorded on 18th June 2005.
09:45	Indonesian Service
11:00	Dars-ul-Qur’an: An in depth explanation of Qur’anic verses by Hadhrat Khalifatul Masih IV (ra), during the month of Ramadhan.
12:30	Dars-e-Hadith
13:00	MTA International Jama’at News
13:25	Bangla Shomprochar
14:35	Seerat-un-Nabi (saw)
15:25	Tilaawat
17:15	From the Archives: Friday Sermon delivered by Hadhrat Mirza Tahir Ahmad, Khalifatul Masih IV (ra). Recorded on 22nd July 1983.
17:45	Australian Documentary: a documentary about Australian Flora and Fauna.
18:30	Arabic Service
19:25	Liqaa Ma’al Arab: A sitting with Hadhrat Khalifatul Masih IV (ra) and Arabic speaking guests. Session 185, Recorded on: 16/07/1996.
20:25	MTA International Jama’at News
21:00	Dars-ul-Qur’an: An in depth explanation of Qur’anic verses by Hadhrat Khalifatul Masih IV (ra), during the month of Ramadhan. [R]
22:25	Australian Documentary [R]
23:00	Tilaawat

Thursday 19th October 2006

00:35	Tilaawat, Dars-e-Hadith & MTA International Jama’at News
01:40	Dars-ul-Qur’an: An in depth explanation of Qur’anic verses by Hadhrat Khalifatul Masih IV (ra), during the month of Ramadhan.
03:10	Dars-e-Hadith
03:45	Seerat-un-Nabi (saw)
04:50	Tilaawat
05:25	Jalsa Speeches: A speech delivered by Rafiq Hayat on the topic of ‘Islam and Human Rights’ on the occasion of Jalsa Salana UK, recorded on 28th July 2002.
06:00	Tilaawat, Dars-e-Hadith & MTA News Review Mid-Week
08:30	Children’s Class (Atfal) with Huzoor. Recorded on 18th June 2005 in Canada.
09:40	Indonesian Service
10:40	MTA Travel: A travel programme covering The Hague, the political and administrative capital of the Netherlands.
11:00	Dars-ul-Qur’an: An in depth explanation of Qur’anic verses by Hadhrat Khalifatul Masih IV (ra), during the month of Ramadhan. Recorded on 21 February 1994.
12:35	Dars-e-Hadith
13:00	MTA News Review Mid-Week
13:30	Bengali Service
14:30	Seerat-un-Nabi (saw)
15:30	Tilaawat
17:05	Huzoor’s Tour’s: a programme documenting Huzoor’s visit to India.
18:05	MTA Travel [R]
18:30	Arabic Service
20:35	MTA News Review Mid-Week
21:05	Dars-ul-Qur’an: An in depth explanation of Qur’anic verses by Hadhrat Khalifatul Masih IV (ra), during the month of Ramadhan. Recorded on 21 February 1994. [R]
23:00	Tilaawat

Please note MTA2 will be showing French service & German service at 16:00GMT & 17:00GMT

Translations for Hazoor’s Programmes are available.
Prepared by the MTA Scheduling Department.

Al Fazl International Weekly, London

22 DEER PARK ROAD, LONDON SW19 3TL (U.K.)

ISSN: 1352 9587
Tel: (020) 8544 7603
Fax: (020) 8544 7611
Email:alfazlint@alislam.org

Vol 13 Friday October 06, 2006 Issue No. 40

حاصل مطالعہ

دوست محمد شاھد۔ مؤرخ احمدیت

شہرت یافتہ عیسائی مشنری حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں

سیدنا مصلح موعودؓ نے 21/جون 1935ء کے خطبہ جمعہ میں پادری زویمر صاحب کی قادیان آمد اور ملاقات کا ذکر بایں الفاظ فرمایا:

”ڈاکٹر زویمر صاحب جو بڑے بڑے پادریوں میں سے ایک ہیں، نسلاً جرمن مگر قومیت کے لحاظ سے امریکن ہیں۔ کچھ عرصہ مصر بھی رہے ہیں اور آج کل امریکہ میں ہیں اور پادریوں کی دنیا کی جو بہترین ہستیاں سمجھی جاتی ہیں ان میں سے ایک ہیں۔ چپ چپاتے یہاں آپہنچے اور مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم ان دنوں زندہ تھے ان سے میرے متعلق پادری صاحب نے کہا کہ مَیں بعض سوالات ان سے پوچھنا چاہتا ہوں اور جب ڈاکٹر صاحب نے دریافت کیا کہ کیا سوالات ہیں تو پادری صاحب نے کہا کہ انہی کے سامنے پیش کروں گا۔ ان کا خیال تھا کہ ایسا نہ ہو کہ پہلے معلوم ہونے پر جواب سوچ رکھیں۔ گویا وہ سمجھتے تھے کہ ان کے سوالوں کا مَیں کوئی جواب نہ دے سکوں گا۔ پہلے تو ان کے ساتھ باہر ہی لطیفہ ہوا۔ یہاں کی گلیوں میں پھر کر کہنے لگے مجھے مدت سے شوق تھا کہ دیکھوں اسلامی حکومت کے ماتحت صفائی وغیرہ کا انتظام کس طرح ہوتا ہے۔ مگر یہاں گلیوں کی صفائی وغیرہ تو ایسی اچھی طرح نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر رشید الدین صاحب مرحوم نے اس کا جواب یہ دیا کہ ابھی تو یہاں پہلے مسیح کی حکومت ہے۔ یعنی انگریز جو پہلے مسیح کی اُمّت ہیں یہاں یہاں کے حکمران ہیں۔ خیر اس کے بعد وہ میرے پاس پہنچے اور اپنے دل میں جو بعض پہیلیاں بنا رکھی تھیں پیش کیں۔

پہلا سوال انہوں نے مجھ سے یہ کیا کہ نبی کس جگہ ہونا چاہئے یعنی کونسا مقام نبی کی بعثت کے لئے مناسب ہوتا ہے؟ انہوں نے خیال کیا کہ مَیں اس کا یہی جواب دوں گا کہ جہاں لوگ آسانی سے پہنچ سکیں۔ ریل، ڈاک، تار وغیرہ سہولتیں موجود ہوں یا اگر پرانا زمانہ ہو تو قافلوں وغیرہ کا معقول انتظام ہوتا لوگوں کو وہاں پہنچنے اور نبی کو لوگوں کے ساتھ تعلق رکھنے میں آسانی ہو۔ اور پھر میں یہ سوال کروں گا کہ اگر یہ بات ہے تو پھر قادیان میں نبی کیسے پیدا ہوگیا؟ لیکن جب انہوں نے یہ سوال کیا خدا تعالیٰ نے سارا سوال اور اس کا جواب میرے ذہن میں ڈال دیا اور مَیں نے مسکرا کران کے سوال کا یہ جواب دیا کہ ناصرہ سے ہر بڑے قصبہ میں نبی آسکتا ہے۔ اس پر وہ بالکل ہکّے بکّے رہ گئے۔ دوسرا سوال انہوں نے یہ کیا کہ کیا مرزا صاحب تناسخ کے قائل تھے؟ یہ سوال کرتے وقت ان کے ذہن میں یہ بات تھی کہ مَیں کہوں گا نہیں۔ تو پھر وہ سوال کر دیں گے کہ آپ مسیح کے بروز کیسے ہوگئے؟ اور اگر مَیں کہوں گا ہاں تو اس کا جواب یہ دیتے کہ یہ تو اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ میرا ذہن معاً اس طرف گیا اور مَیں نے اصل سوال کا جواب دینے کی بجائے یہ کہا کہ آپ کو غلطی لگی ہے ہمارا یہ عقیدہ نہیں کہ حضرت مسیح ناصری کی روح حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں آگئی ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ ان کی صفات آپ میں پائی جاتی ہیں۔ ان جوابات سے ان کو بہت حیرانی ہوئی اور کہنے لگے کہ کیا آپ کو کسی نے میرے سوالات بتادئے تھے؟“

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

بقیہ: صداقت حضرت محمد ﷺ

از صفحہ نمبر 4

زمانہ دراز تک وہ تلخیاں اٹھانی پڑیں کہ جن پر ثابت قدمی سے ٹھہرے رہنا کسی فریبی اور مکار کا کام نہیں۔ اور پھر جب مدت مدید کے بعد غلبہ اسلام کا ہوا۔ تو ان دولت اور اقبال کے دنوں میں کوئی خزانہ اکٹھا نہ کیا۔ کوئی عمارت نہ بنائی۔ کوئی بارگاہ طیار نہ ہوئی۔ کوئی سامان شاہانہ عیش کا تجویز نہ کیا گیا۔ کوئی اور ذاتی نفع نہ اٹھایا۔ بلکہ جو کچھ آیا وہ سب یتیموں اور مسکینوں اور بیوہ عورتوں اور مقروضوں کی خبر گیری میں خرچ ہوتا رہا اور کبھی ایک وقت بھی سیر ہو کر نہ کھایا۔ اور پھر صاف گوئی اس قدر کہ توحید کا وعظ کر کے سب قوموں اور سارے فرقوں اور تمام جہان کے لوگوں کو جو شرک میں ڈوبے ہوئے تھے مخالف بنالیا۔ یہودیوں سے بھی بات بگاڑلی۔ کیونکہ ان کو طرح طرح کی مخلوق پرستی اور پیر پرستی اور بداعمالیوں سے روکا۔ حضرت مسیح کی تکذیب اور توہین سے منع کیا جس سے ان کا نہایت دل جل گیا اور سخت عداوت پر آمادہ ہوگئے اور ہر دم قتل کر دینے کی گھات میں رہنے لگے۔ اسی طرح عیسائیوں کو بھی خفا کر دیا گیا۔ کیونکہ جیسا کہ ان کا اعتقاد تھا۔ حضرت عیسیٰ کو نہ خدا نہ خدا کا بیٹا قرار دیا اور نہ ان کو پھانسی مل کر دوسروں کو بچانے والا تسلیم کیا۔ آتش پرست اور ستارہ پرست بھی ناراض ہوگئے۔ کیونکہ ان کو بھی ان کے دیوتوں کی پرستش سے ممانعت کی گئی اور مدار نجات کا صرف توحید ٹھہرائی گئی۔ اب جائے انصاف ہے کہ کیا دنیا حاصل کرنے کی یہی تدبیر تھی کہ ہر یک فرقہ کو ایسی ایسی صاف اور دلآزار باتیں سنائی گئیں کہ جس سے سب نے مخالفت پر کمر باندھ لی اور سب کے دل ٹوٹ گئے اور قبل اس کے کہ اپنی کچھ ذرہ بھی جمعیت بنی ہوتی یا کسی کا حملہ روکنے کے لیے کچھ طاقت بہم پہنچ جاتی سب کی طبیعت کو ایسا اشتعال دے دیا کہ جس سے وہ خون کرنے کے پیاسے ہوگئے۔ زمانہ سازی کی تدبیر تو یہ تھی کہ جیسا بعضوں کو جھوٹا کہا تھا ویسا ہی بعضوں کو سچا بھی کہا جاتا۔ تا اگر بعض مخالف ہوتے تو بعض موافق بھی رہتے۔ بلکہ اگر عربوں کو کہا جاتا کہ تمہارے ہی لات وعزیٰ سچے ہیں تو وہ تو اسی دم قدموں پر گر پڑتے اور جو چاہتے ان سے کراتے۔ کیونکہ وہ سب خویش اور اقارب اور حمیت قومی میں بے مثل تھے اور ساری بات مانی منائی تھی صرف تعلیم بت پرستی سے خوشی ہوجاتے اور بدل و جان اطاعت اختیار کرتے۔ لیکن سوچنا چاہیئے کہ آنحضرت ﷺ کا یکلخت ہر یک خویش و بیگانہ سے بگاڑ لینا اور صرف توحید کو جو ان دنوں میں اس سے زیادہ دنیا کے لیے کوئی نفرتی چیز نہ تھی اور جس کے باعث سے صدہا مشکلیں پڑتی جاتی تھیں بلکہ جان سے مارے جانا نظر آتا تھا مضبوط پکڑ لینا یہ کس مصلحت دنیوی کا تقاضا تھا اور جبکہ پہلے اسی کے باعث سے اپنی تمام دنیا اور جمعیت برباد کر چکے تھے تو پھر اسی بلا انگیز اعتقاد پر اصرار کرنے سے کہ جس کو ظاہر کرتے ہی نو مسلمانوں کو قید اور زنجیر اور سخت سخت ماریں نصیب ہوئیں کس مقصد کا حاصل کرنا مراد تھا۔ کیا دنیا کمانے کے لیے یہی ڈھنگ تھا کہ ہر یک کو کلمہ تلخ جو اس کی طبع اور عادت اور مرضی اور اعتقاد کے برخلاف تھا۔ سنا کر سب کو ایک دم کے دم میں جانی دشمن بنا دیا۔ اور کسی ایک آدھ قوم سے بھی پیوند نہ رکھا۔ جو لوگ طامع اور مکار ہوتے ہیں۔ کیا وہ ایسی ہی تدبیریں کیا کرتے ہیں کہ جس سے دوست بھی دشمن ہوجائیں۔ جو لوگ کسی مکر سے دنیا کو کمانا چاہتے ہیں کیا ان کا یہی اصول ہوا کرتا ہے کہ بیکبارگی ساری دنیا کو عداوت کرنے کا جوش دلاویں اور اپنی جان کو ہر وقت کی فکر میں ڈال لیں۔ وہ تو اپنا مطلب سادھنے کے لیے سب سے صلح کاری اختیار کرتے ہیں اور ہر یک فرقہ کو سچائی کا ہی سرٹیفکیٹ دیتے ہیں۔ خدا کے لیے یکرنگ ہوجانا ان کی عادت کہاں ہوا کرتی ہے خدا کی وحدانیت اور عظمت کا وہ کچھ دھیان رکھا کرتے ہیں۔ ان کو اس سے غرض کیا ہوتی ہے کہ ناحق خدا کے لئے دکھ اٹھاتے پھریں۔ وہ تو صیاد کی طرح وہیں دام بچھاتے ہیں کہ جو شکار مارنے کا بہت آسان راستہ ہوتا ہے۔ اور وہی طریق اختیار کرتے ہیں کہ جس میں محنت کم اور فائدہ دنیا کا بہت زیادہ ہو۔ نفاق ان کا پیشہ اور خوشامد ان کی سیرت ہوتی ہے۔ سب سے میٹھی میٹھی باتیں کرنا اور ہر ایک چور اور سادھ سے برابر رابطہ رکھنا ان کا ایک خاص اصول ہوتا ہے۔ مسلمانوں سے اللہ اللہ اور ہندوؤں سے رام رام کہنے کو ہر وقت مستعد رہتے ہیں اور ہر ایک مجلس میں ہاں سے ہاں اور نہیں سے نہیں ملاتے رہتے ہیں اور اگر کوئی میر مجلس دن کو رات کہے تو چاند اور گیٹیاں دکھلانے کو بھی تیار ہوجاتے ہیں ان کو خدا سے کیا تعلق اور اس کے ساتھ وفاداری کرنے سے کیا واسطہ۔ اور اپنی خوش باش جان کو مفت میں اِدھر اُدھر کا غم لگا لینا انہیں کیا ضرورت۔ استاد نے ان کو سبق ہی ایک پڑھایا ہوا ہوتا ہے کہ ہر ایک کو یہی بات کہنا چاہیئے کہ جو تیرا راستہ ہے وہی سیدھا ہے۔ اور جو تیری رائے ہے وہی درست ہے اور جو تو نے سمجھا ہے وہی ٹھیک ہے غرض ان کی راست اور ناراست اور حق اور باطل اور نیک اور بد پر کچھ نظر ہی نہیں ہوتی بلکہ جس کے ہاتھ سے ان کا کچھ منہ میٹھا ہوجائے وہی ان کے حساب میں بھگت اور سدھ اور جنٹلمین ہوتا ہے۔ اور جس کی تعریف سے کچھ پیٹ کا دوزخ بھرتا نظر آوے۔ اس کو مکتی پانے والا اور سرگ کا وارث اور حیات ابدی کا مالک بنا دیتے ہیں۔ لیکن واقعات حضرت خاتم الانبیاء ﷺ پر نظر کرنے سے یہ بات نہایت واضح اور نمایاں اور روشن ہے کہ آنحضرت اعلیٰ درجہ کے یکرنگ اور صاف باطن اور خدا کے لیے جان باز اور خلقت کے بیم و امید سے بالکل منہ پھیرنے والے اور محض خدا پر توکل کرنے والے تھے کہ جنہوں نے خدا کی خواہش اور مرضی میں محو اور فنا ہو کر اس بات کی کچھ بھی پروا نہ کی کہ توحید کی منادی کرنے سے کیا کیا بلا میرے سر پر آوے گی۔ اور مشرکوں کے ہاتھ سے کیا کچھ دکھ اور درد اٹھانا ہوگا۔ بلکہ تمام شدتوں اور سختیوں اور مشکلوں کو اپنے نفس پر گوارا کر کے اپنے مولیٰ کا حکم بجا لائے۔ اور جو جو شرط مجاہدہ اور وعظ اور نصیحت کی ہوتی ہے وہ سب پوری کی اور کسی ڈرانے والے کو کچھ حقیقت نہ سمجھا۔ ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ تمام نبیوں کے واقعات میں ایسے مواضعات خطرات اور پھر کوئی ایسا خدا پر توکل کر کے کھلا کھلے شرک اور مخلوق پرستی سے منع کرنے والا اور اس قدر دشمن اور پھر کوئی ایسا ثابت قدم اور استقلال کرنے والا ایک بھی ثابت نہیں۔ پس ذرہ ایمانداری سے سوچنا چاہیئے کہ یہ سب حالات کیسے آنحضرت ﷺ کے اندرونی صداقت پر دلالت کر رہے ہیں۔“

(براہین احمدیہ روحانی خزائن جلد اول صہ107تا110
ایڈیشن اول صہ115تا121)

اس گواہی کو غیر بھی تسلیم کرتے ہیں۔ منٹگمری واٹ جیسا متعصب انسان لکھتا ہے:

"His readiness to undergo persecutions for his beliefs, the high moral character of the men who believed in him and looked up to him as leader, and the greatness of his ultimate achievement-all argue his fundamental integrity."

(W. Montgomery Watt: Muhammad at Mecca, Oxford 1953, p. 52.)

یعنی آپ کا اپنے عقائد کی پاداش میں ہر قسم کی تکالیف اُٹھانے کے لیے تیار رہنا، آپ کے پیروکاروں، جنہوں نے ہر موقع پر آپ سے راہنمائی لی، کا اعلیٰ اخلاقی معیار، اور آخرِ کار آپ کی عظیم الشان فتح یہ تمام باتیں بنیادی طور پر آپ کے دیانت دار ہونے کی دلیل ہیں۔

(باقی آئندہ شمارہ میں)

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀